اجنبی خواب کا چہرہ
قیصر صدیقی
مرتبہ
ظفر انصاری ظفر

اجنبی خواب کا چہرہ

قیصر صدیقی

مرتبہ

ظفر انصاری ظفر

نام کتاب: اجنبی خواب کا چہرہ

مصنف کا نام: رفیع احمد

قلمی نام: قیصر صدیقی

ولد: جناب عبدالغنی مرحوم

تلمذ: سید وحیدالدین شوق عظیم آبادی مرحوم، جرم محمد آبادی مرحوم

پیدائش: ۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء موضع قیصر آباد (نواده)، ضلع سمستی پور، بہار

تصنیف: صحیفہ، ڈوبتے سورج کا منظر، روشنی کی بات، ابجد، نگاہ و فلک

مرتب: ظفر انصاری ظفر

ناشر: بارگاہ ادب، نواده، سمستی پور (بہار)

مطبع: اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی

©: مصنف

کمپوزنگ: سلیم انور (الہ آبادی)

سنہ اشاعت: ۲۰۱۷

تعداد: ۵۰۰

قیمت: پانچ سو روپے

کتاب ملنے کے پتے:

☆ مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ ☆ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی

☆ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ-۴ ☆ پٹنہ بک سینٹر، پی ایم داس روڈ، پٹنہ

☆ تجلیہ کتاب گھر، بیسری روڈ، مہوا، ویشالی، بہار

ISBN : 978-81-931245-5-0

AJNABI KHWAB KA CHEHRA

Composed by

QAISAR SIDDIQI

Compiled by

ZAFAR ANSARI ZAFAR

2017

انتساب

اس حسن نادیدہ کے نام
جس نے میری نگاہوں کو غزل آشنا کیا

فہرست

ڈاکٹر ظفر انصاری ظفر

اسسٹنٹ پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی،

الہ آباد۔

پیش لفظ

نغمہ جو ہے تو روح میں ہے نے میں کچھ نہیں

گر تجھ میں کچھ نہیں تو کسی شے میں کچھ نہیں

تیرے لہو کی آنچ سے گرمی ہے جسم کی

مے کے ہزار وصف سہی مے میں کچھ نہیں

جس میں خلوص فکر نہ ہو وہ سخن فضول

جس میں نہ دل شریک ہو اس لے میں کچھ نہیں

یہ اشعار معروف ترقی پسند شاعر ساحر لدھیانوی کے ہیں۔ یہ اشعار اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ شاعری ایک روحانی عمل ہے۔ یہ اندرون ذات کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ اگر انسان کی روح مائل بہ نغمہ نہ ہو تو نے میں یہ صلاحیت کہاں کہ وہ نغمہ پیدا کر سکے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعری روح کی پیداوار ہوتی ہے جسے لفظوں کی وساطت سے منصۂ شہود پر لایا جاتا ہے۔ اس لئے شاعری میں الفاظ کی حیثیت ایک ذریعہ محض (mediam) کی ہوا کرتی ہے۔ جو شاعری محض الفاظ کے گورکھ دھندوں پر مشتمل ہوتی ہے، اسے حقیقی شاعری نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں کہ جب تک الفاظ میں روح کی شمولیت

ے کرنے کی صلاحیت ہے لیکن اس کے باوجود اس نے اجتماعی مسائل کی عکاسی بھی ایسی خوش اسلوبی سے کی ہے کہ اس بات پر ایمان لائے بغیر نہیں رہا جاتا کہ یہ اجتماعی مسائل کی تصویر کشی کے لئے اتنی ہی موزوں ہے جتنی کہ انفرادی مسائل کی عکاسی کے لئے۔ غزل کی تاریخ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد ہی یہ بات یقین کے اجالے میں آجاتی ہے کہ معنوی اعتبار سے یہ جہت کثیر کی حامل صنف ہے اور اس میں حیات و کائنات کی تمام تر تلخی و شیرینی موجود ہے۔ یہ غمناک ماحول کی دمساز بھی ہے اور پر مسرت فضا کی ہمراز بھی۔ کبھی اس کے سلگتے ہونٹوں پر خزاں کی داستان خوں چکاں رقص کناں رہی ہے تو کبھی اس کے لب ہائے معجز نما پر بہار کا نغمہ جاں فزا بھی موجزن رہا ہے۔ اس کے رخ روشن پر عصریت کا جمال بھی رہا ہے، اور آفاقیت کا جلال بھی۔ یعنی یہ ہماری زندگی اور ہمارے معاشرے کی مکمل تصویر پیش کرتی رہی ہے۔ اس لحاظ سے غزل کی اہمیت اور افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

افتخار احمد معروف بہ قیصر صدیقی عصر حاضر کے اہم غزل گویوں میں ہیں۔ ان کا پہلا مجموعۂ غزل ''صحیفہ'' کے عنوان سے ۱۹۸۲ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ اس کے بعد غزلوں پر مشتمل ان کا ضخیم مجموعۂ کلام ''ڈوبتے سورج کا منظر'' ۲۰۱۱ء میں منظر عام پر آیا۔ چونکہ ''صحیفہ'' کی خاطر خواہ رسائی ادب نوازوں تک نہیں ہو پائی تھی اس لئے اس کی غزلوں کو بھی 'ڈوبتے سورج کا منظر'' میں شامل کر لیا گیا تھا اور اس کی حیثیت ان کی کلیات غزل کی ہو گئی تھی۔ ''ڈوبتے سورج کا منظر'' کی اشاعت کے بعد مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اب ان کی غزل گوئی کا سفر ان کی آخری منزل میں ہے اور اس کے بعد اس صنف پر مشتمل ان کا دیگر مجموعہ شاید ہی منصۂ شہود پر آپائے گا۔ کیونکہ سن و سال کے اعتبار سے وہ بزرگ شاعر ہیں اور انھوں نے زندگی کی ۷۷ بہاریں دیکھ لی ہیں۔ لیکن جب انھوں نے بنا زیر نظر مجموعہ کلام ترتیب دیئے حکم مجھ ہیچ مداں کو دیا تو میں دفعتاً حیرت و استعجاب کی کیفیت سے دوچار ہوا۔

کیا کرے آخر یہ بوڑھا بادشاہ
ہو گئے ہیں اس کے شہزادے خلاف

آ گیا ہے گھر میں کیسا انقلاب
ہو رہا ہے میری مرضی کے خلاف

پہلے شعر میں اپنے خلاف گواہی دینے کا عمل ایک نجی معاملہ ہے، لیکن اس کا انجام ایک اجتماعی معاملے کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ دوسرے شعر میں بوڑھے بادشاہ کی مجبوری کا تعلق اس کی ذات سے ہے یعنی اس کی مجبوری ایک نجی معاملہ ہے، لیکن اس کی مجبوری کی وجہ اس کے شہزادے کا اس کے خلاف ہو جانا ہے جس کے سبب اس کا ملک تباہی و بربادی کے دہانے پر کھڑا ہے جو کہ ایک اجتماعی مسئلہ ہے۔ تیسرے شعر میں شاعر کی پریشانی کا باعث یہ ہے کہ اس کے گھر میں ہر کام اس کی مرضی کے خلاف ہو رہا ہے۔ انقلاب زمانہ کا یہ اثر ہے کہ خاندان کے بڑے بزرگ کی حیثیت صفر ہو کر رہ گئی ہے۔ اس شعر میں اجتماعی مسائل نجی مسائل کے طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ ان تینوں اشعار کے تجزیے کے بعد اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ قیصر صدیقی نے شخصی مسائل کو آفاقی مسائل اور آفاقی مسائل کو شخصی مسائل کا قالب کس ہنرمندی کے ساتھ عطا کیا ہے۔

قیصر صدیقی کے اس مجموعے کی غزلوں کے مطالعے سے اس امر کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی غزلوں میں بے وقت کا راگ نہیں الاپا ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں اپنے زمانے کے مختلف اور گوناگوں مسائل کو ترجیحی طور سے جگہ دی ہے جس کی وجہ سے ان کی غزلیں معاصر سیاسی، سماجی اور تہذیبی اقدار کی آئینہ دار بن گئی ہیں۔ خواہ وہ

ادائے دلربا بدلی ہوئی ہے

زمانے کی ہوا بدلی ہوئی ہے

زمانے کے انقلاب اور تغیر پذیری نے ہمارے معاشرے کی صحت مند تہذیبی روایات واقدار کو جس انداز میں ملیامیٹ کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور اس کا حساس ہمارے معاشرے کے تقریباً ہر فرد کو ہے۔ چوں کہ فنکار یا شاعر عام لوگوں سے زیادہ حساس اور ذکی الفہم ہوتا ہے اس لیے اس احساس سے اس کا دوچار ہونا ایک بدیہی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ چوں کہ جناب قیصر ایک حقیقی فنکار ہیں اس لیے انھوں نے بھی اپنے معاشرے کی صحت مند تہذیبی روایات واقدار کی پامالی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی معاشرتی ابتری و بدحالی کو اپنے لیے شجر ممنوعہ قرار نہیں دیا ہے اور اس کو اپنی غزل گوئی کا مرکز ومحور بنایا ہے۔ تہذیبی زوال اور معاشرتی ابتری کے موضوع پر مبنی یہ اشعار ملاحظہ ہوں

آنگن کا اجالا تو بازار کی زینت ہے

تنہائی میں روتے ہیں ترسے ہوئے آئینے

ذرا ذرا سی بات کو لے کر خون خرابہ

کیوں ہوتی ہے سوچ برہنہ، سوچا جائے

روپ کی دھوپ کے یہ آئینے

گاؤں کے منچلوں سے ڈرتے ہیں

چراغ حسن بن کر تیرا چہرہ
مری آنکھوں میں جلنا چاہتا ہے

حاضر ہوا ہوں جب بھی تری بزم ناز میں
ایسا لگا کہ آئینہ خانے میں آ گیا

کسی عکس رخ زیبا کے صدقے
کوئی دیکھے منور میرا ہونا

تیری نظروں کے سوا کوئی سہارا بھی نہیں
اب اگر تو ہی سنبھالے تو سنبھالے مجھ کو

قیصر صدیقی پختہ فنی شعور رکھنے والے شاعر ہیں۔ وہ الفاظ کے تخلیقی استعمال پر بلا کی قدرت رکھتے ہیں۔ زیر نظر مجموعۂ کلام میں انھوں نے انوکھی بندش اور اچھوتی ترکیبوں کے ذریعے جامد الفاظ میں حرکی توانائی بھرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے جس کی وجہ سے ان کا شعری آہنگ خاصا دامن کشِ دل ہو گیا ہے۔ اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بے رنگ آج تک ہے یہ دیوار آرزو
اس پر بھی کوئی نقشِ گلِ تر ابھار دے

[illegible]

عذاب [illegible] سے نکل [illegible]

کب مرے آنگن میں اترے گی وفا کی چاندنی

کب مرے گھر کو ملے گا شادمانی کا لباس

ہے مرے شہر میں ماضی کا عجائب گھر بھی

آئینہ خانۂ فردا بھی مرے شہر میں ہے

فکر کو جامۂ انوار ملا

دل میں جب درد کا چمکا سورج

کہاں سو گیا روشنی کا ضمیر

فلک پر ہے تیرہ شبی کا مزاج

[illegible]

خواب کی خاک سے ابھرتے ہیں

خواب سحر نگار کی تعبیر دیکھئے
خوابوں کے خون دل سے ہے لبریز جام صبح

وہ لفظوں کی سیاست جانتا ہے   صدی کو چٹکیوں میں پل کرے گا

ہوا مردہ ضمیر پارسائی   نگاہ پارسا بدلی ہوئی ہے

قیصر صدیقی کی غزلوں میں لفظی پیکروں (images) کا استعمال بھی بڑی ہنر مندی اور چابلدستی کے ساتھ ہوا ہے۔ ان پیکروں کے ذریعے وہ نامعلوم، غیر مرئی و مجرد خیالات کو مجسم و متشکل بنا کر اپنے شعری آہنگ میں جاذبیت واثر انگیزی کی شدید کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ بات ہوا میں گرہ لگانے کے مترادف ہے اور اس کے لیے بلا کا ذوق سلیم اور اعلیٰ درجے کے شعری شعور کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کام کوئی قادر الکلام اور مشاق فنکار ہی کر سکتا ہے۔ چوں کہ جناب قیصر نے دشت شعر و غزل کی سیاحی میں ایک عمر گزاری ہے جس کے باعث یہ جوکھوں بھرا کام کرنا ان کے لیے مشکل ثابت نہیں ہوا۔ میں یہاں ان کی غزلوں کے چند منتخب اشعار پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جن میں مذکورہ شعری طریقہ کار (Poetic devices) کو بروئے کار لایا گیا ہے:

گھر کی ویرانی پہ افسردہ ہے   ٹوٹی دیوار پہ بیٹھا سورج

زندگی صورتیں بدلتی رہی   آئینہ دیکھتا رہا خاموش

خشک ٹہنی پہ کھل گیا ہوں میں   غنچۂ نوبہار کی صورت

یہ جو ہے بانکپن مجھ میں قیصرؔ
میری مٹی سے مجھ کو ملا ہے

مری مٹی کا کیا ہوگا نہ جانے
میری بوڑھی ندی سوکھی پڑی ہے

یہ پوری غزل بھی اسی قبیل کی ہے:

پانی پنگھٹ گگری غزلیں
رادھا موہن مرلی غزلیں

اپنے گاؤں کا بہتا دریا
اپنی مٹی اپنی غزلیں

اپنا قصہ اپنی باتیں
اپنی بیتی اپنی غزلیں

میری ہندوستانی مٹی
میری ہندوستانی غزلیں

گاؤں کے سیدھے سادے نغمے
گاؤں کی سیدھی سادی غزلیں

کی غزلوں میں اختصاص کے ساتھ موجود ہے۔ مذکورہ تمام اوصاف کی روشنی میں یہ کہنا کہ جناب قیصر عصرِ حاضر کے قابل ذکر اور معتبر شاعر ہیں، نامناسب نہ ہوگا۔ مجھے یقین کامل ہے کہ ''اجنبی خواب کا چہرہ'' غزل گوئی کے معاصر سرمائے میں ایک اضافے کی حیثیت کا حامل ہوگا اور اس کی اشاعت سے جناب قیصر صدیقی کا ادبی پایہ مزید بلند ہوگا۔ اخیر میں غزل سے متعلق ان کا ہی شعر جو کہ ان کی غزل گوئی سے بھی متعلق ہے، پیش کر کے اپنا قلم روک رہا ہوں

کوئی بھی گوشہ اچھوتا نہیں رہا ہے اس سے
مرے خیال میں تصویرِ زندگی ہے غزل

الٰہ آباد: ۲۹ر مارچ ۲۰۱۴ ظفر انصاری ظفر

عصر حاضر میں زبردست صنعتی انقلاب کے زیر اثر پروان چڑھنے والے رد و قبول کے رویے نے جہاں بہت سی نادر اشیا کو از کار رفتہ اور مایۂ گم گشتہ بنا کر رکھ دیا ہے وہیں شاعری کا قافلہ اپنی مخصوص لفظیات کو نئے معنوی تناظر عطا کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کارواں کے قافلہ سالاروں میں ایک معتبر اور قابل قدر نام قیصر صدیقی کا بھی ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی لیلائے سخن کی ناز برداری کے لئے وقف کر رکھی ہے در آج زندگی کے ستتر ویں پڑاؤ پر پہنچ کر بھی ان کی سخن سنجی کا سلسلہ جاری ہے۔

قیصر صدیقی کو شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ انھوں نے غالباً ۱۹۵۰ء میں اپنی شاعری کا آغاز کیا اور بہت جلد ہی اپنے حلقۂ احباب میں مقبول ہو گئے۔ ان کے اشعار اردو کے معیاری رسائل و جرائد میں تسلسل کے ساتھ شائع ہونے لگے۔ ان کا پہلا مجموعۂ کلام ''صحیفہ'' ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد متعدد مجموعے شائع ہوئے جن میں ''ڈوبتے سورج کا منظر'' (۲۰۱۱ء)، ''سجدہ گاہ فلک'' (۲۰۱۲ء) اور ''روشنی کی بات'' (۲۰۱۳ء) قابل ذکر ہیں۔ ان مجموعوں پر انھیں انعامات و اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ لیکن یہ افسوس کا مقام ہے کہ معاصر تنقید نے ان پر وہ توجہ نہیں دی جس کے وہ مستحق تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جہاں انھوں نے شاعری کے اعلیٰ نمونے تخلیق کئے ہیں وہیں عوامی شاعری اور قوالی کی دنیا سے بھی ان کی وابستگی بدستور قائم رہی اور انھیں عوامی و مبتذل شاعر سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا۔

قیصر صدیقی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے خود کو کسی بھی نظریے یا تحریک کا پابند نہیں کیا بلکہ ہر تحریک اور نظریے کے خوشگوار اثرات کو قبول کیا جس سے ان کی شاعری میں تنوع، بوقلمونی اور رنگا رنگی پیدا ہوئی اور اس میں خشکی اور درشتی کے عنصر کا شائبہ تک بھی نظر نہیں آتا۔ ان کے یہاں کلاسیکیت کا رچا ہوا شعور بھی ہے اور جدید شاعری کا

گھر کی ویرانی پہ افسردہ ہے   ٹوٹی دیوار پہ بیٹھا سورج

دیدۂ انفعال کی شبنم   اپنے سارے گناہ دھولے گی

رہزنوں کا ذکر کیا، خود راستے
سازشیں کرتے ہیں رہرو کے خلاف!

قیصر صدیقی بڑی رنگا رنگ اور باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں۔ مزاج کی شوخی اور طبیعت میں لاابالی پن بھی ان کی شخصیت کا حصہ ہے۔ ان کی اس خصوصیت نے انھیں زندگی کے دکھ، درد کو گوارا کرنے اور ان پر قابو پانے میں بڑی مدد کی۔ انھیں زندگی میں جہاں بھی کوئی تضحیکی پہلو، معاشرے کا تضاد یا خود ساختہ معیار نظر آتا ہے، ان کی طبیعت کی شوخی مچل اٹھتی ہے اور ان کا ذرخیز ذہن طنزیہ اشعار خلق کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے نام نہاد نقادوں کے ادب سے متعلق فرسودہ فرامین کو لائق اعتنا نہیں تصور کیا بلکہ ان پر بھی انھوں نے طنز کے تیر برسائے ہیں۔

بھویں جو پنی بنام غزل چڑھاتا ہے
مری سمجھ سے وہ نقاد گھاس کھاتا ہے

یہ ہمارا عہد عہد اشتہاری ہے جناب
چاہے کوئی انجمن ہو ہم ہی ہم ہیں محترم

رحم و کرم کا مارا ہے   قسم خدا کی کھاتا جھوٹ!

یہ جانی پہچانی ہے   دنیا پھٹی پرانی ہے

مانگ رہا ہوں حق اپنا   پھر کیا آنا کانی ہے

صحرا کی ویران فضا کو   گلشن کی توقیر مبارک

مندرجہ بالا اشعار میں اسلوب کی روانی کے علاوہ روزمرہ اور محاورات کا ندرت کے ساتھ استعمال قابل داد ہے۔ جس طرح قیصر صدیقی نے اپنے آپ کو کسی مخصوص صنف تک محدود نہیں رکھا اسی طرح انھوں نے اپنے کلام کے لئے موضوعات کی بھی تخصیص نہیں کی۔ ان کے یہاں زہد و تقویٰ، عشق و عاشقی، رند و سرمستی، طنز و مزاح، پند و نصیحت، تصوف، تشہد، قوم پرستی، وطن دوستی جیسے گوناگوں موضوعات تازگی و فسوں کاری کے ساتھ موجود ہیں۔ اپنے نوع بہ نوع شعری خصائص اور جمالیاتی کوائف کے سبب قیصر صدیقی کی شاعری معاصر غزل گوئی کے منظر نامے میں اپنی ایک مخصوص شناخت رکھتی ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ ''اجنبی خواب کا چہرہ'' کی اشاعت شاعری کی دنیا میں ان کی مزید شہرت کا باعث بنے گی، ساتھ ہی غزل کے معاصر سرمایے میں گراں قدر اضافے کا درجہ بھی رکھے گی۔

۴؍اپریل ۲۰۱۴   نوشاد کامران

الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد۔

اظہارِ تشکر

میں اپنے اللہ کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ خدائے بزرگ و برتر نے جسمانی ناتوانی کے باوجود مجھے ذہنی طور سے توانا رکھا۔ اپنی غزلوں کا تیسرا مجموعہ "اجنبی خواب کا چہرہ" اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عجب طرح کی خوشی محسوس کر رہا ہوں، میں اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے سکتا۔

اپنی بات ختم کرنے سے پہلے عزیزی ظفر انصاری ظفر کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں خوش سلیقگی اور ہنرمندی کا مظاہرہ کیا ہے نیز گراں قدر دیباچہ بھی تحریر فرمانے کی مہربانی کی ہے۔ ساتھ ہی اپنے برادر عزیز میاں آشکار احمد قمر صدیقی اور پرویز عالم (جے۔ این۔ یو۔ سکریٹری، علمی مجلس بہار) کا شکریہ ادا کرنا بھی فرض سمجھتا ہوں جن کا تعاون مجھے ہمیشہ ملتا رہا۔ میں عزیزم نوشاد کامران کا بھی مشکور ہوں کہ انھوں نے اپنے گرانقدر مشوروں سے نوازا۔ بہر حال مجموعہ آپ کے سامنے ہے۔ کیسا ہے، یہ آپ پر چھوڑتا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ ؎

غرق ہونے کو تو ہو جائے گی کشتی لیکن
لیکن میری ڈوبی ہوئی پتوار کے چرچے ہوں گے

۱۰ر اپریل ۲۰۰۴ — قیصر صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شعور و فکر کی رعنائیاں بھی تیری ہیں
خیال وخواب کی پرچھائیاں بھی تیری ہیں

تجلیات کی صورت میں ہے جمال ترا
یہ برق و باد کی انگڑائیاں بھی تیری ہیں

فضا میں گونجتا رہتا ہے تیرا ہی نغمہ
نفس نفس کی یہ شہنائیاں بھی تیری ہیں

وجود اپنا ہے شطرنج کے پیادوں سا
تمام انجمن آرائیاں بھی تیری ہیں

میانِ ارض و سما کچھ نہیں ہے تیرے سوا
تو اس حوالے سے رسوائیاں بھی تیری ہیں

☆

تیز دھوپ ہے سایہ دے
ماں کا آنچل لوٹا دے

رب، مجھ کو آئینہ دے
بے چہرہ ہوں چہرہ دے

خوشبو جیسی بھاشا دے
رنگوں جیسا لہجہ دے

کچھ میرا کی بھگتی دے
کچھ رادھا کا جذبہ دے

تو قسمت کا مالک ہے
پتھر دے یا شیشہ دے

پوچھتا کیا ہے قیصرؔ
جو دیتا ہے بابا دے

غزل

چاندنی رات سے گلے مل کے
زخم ہنسنے لگے مرے دل کے

طنز کرتے ہیں پردے محمل کے
کیا ارادے ہیں وحشت دل کے

ایک تتلی کا چل گیا جادو
اک کلی پھول بن گئی کھل کے

کیوں کوئی نقش پا تلاش کریں
ہم مسافر ہیں اپنی منزل کے

کون پیاسا ادھر سے گزرا ہے
چہرے اترے ہوئے ہیں ساحل کے

اک ذرا آب کی ضرورت ہے
رنگ پھر دیکھنا مری گل کے

دشمنوں ہی پہ کیوں رکھوں تہمت
دوست بھی تھے قریب ساحل کے

یہ نئے عہد کی علامت ہیں
پھل کی دوکاں میں بکے چھلکے

جو نگاہوں سے دور ہیں قیصر
وہ بہت ہی قریب ہیں دل کے

دل میں اترے گی صورتِ نغمہ
دل سے نکلی ہوئی صدا ہے میاں

تشنہ کامی یہاں کی قسمت ہے
یہ مرا شہر، کربلا ہے میاں

صحرا صحرا جو رقص کرتی ہے
وہ مری آہِ نارسا ہے میاں

ہم سے ناراض ہیں ابابیلیں
سامنے فوجِ ابرہہ ہے میاں

میرا ذوقِ سخن بصد اخلاص
اک غزل اور چاہتا ہے میاں

ہم نے لوگوں سے یہ سنا ہے میاں
دل دکھانا بہت برا ہے میاں

دل سے جو دل کو جوڑتا ہے میاں
وہ محبت کا راستہ ہے میاں

وقت ہے کچھ یہ کر گذرنے کا
اور تو ہے کہ سوچتا ہے میاں

[illegible]
[illegible]

کوئی پاگل ہی یہ بتائے گا
اس محبت میں کیا مزہ ہے میاں

رہ گئی اشتہار بازی میں
خود نمائی کی انتہا ہے میاں

قہر برپا ہے نشائی کا
کس قیامت کا سامنا ہے میاں

تم کو گمراہ کر کے چھوڑے گی
خود فریبی بری بلا ہے میاں

تم ہی بتلاؤ کیا کرے قیصر
سنگ زاروں میں آئینہ ہے میاں

آج کی نظروں میں ہوں جھوٹا مگر
آنے والے کل کی سچائی ہوں میں

مجھ کو حیرت ہے نہ قیصر دیکھیے
آپ ہی کا نازِ گویائی ہوں میں

میرے فن میں عکس پرویز و جمیل
جرم کے بچے کی رعنائی ہوں میں

جس کا ذوق دید قیصر بے نگاہ
ایسا بدقسمت تماشائی ہوں میں

ا۔ پرویز شاہدی، جمیل مظہری، جرم محمد آبادی

☆

اللہ کے کرم کا سزا وار بھی تو ہو
بندہ عنایتوں کا طلب گار بھی تو ہو

یہ زندگی کا خواب طرح دار بھی تو ہو
صحرا میں کوئی سایۂ دیوار بھی تو ہو

جس کی ادا ادا پہ نچھاور ہوں رحمتیں
ایسا کوئی نفیس گنہگار بھی تو ہو

عمرِ عزیز یوں ہی گنوانے سے فائدہ؟
مٹی سے زندگی کا سروکار بھی تو ہو

کچھ شوخ ہو چلا ہے غمِ زندگی کا رنگ
ایسے میں کوئی صورت غم خوار بھی تو ہو

قیصرؔ تجھے ہے جلوۂ جاناں کی آرزو
لیکن نگاہ قابلِ دیدار بھی تو ہو

☆

آرزو ناکام ہو کر رہ گئی ہے
زندگی الزام ہو کر رہ گئی ہے

[illegible] سے کتنی [illegible] ہیں
نیند بے انجام ہو کر رہ گئی ہے

یہ بھی قاتل کی ہے شمشیر قاتل
رت خوں آشام ہو کر گئی ہے

وقت نے دستار کی صورت بدل دی
اب تو یہ احرام ہو کر رہ گئی ہے

زہر میں ڈوبی ہوئی اک مسکراہٹ
موت کا پیغام ہو کر رہ گئی ہے

ناچتی ہیں دھان کے کھیتوں میں پریاں
یہ گھٹ انعام ہو کر رہ گئی ہے

گفتگوئے دل بہ عنوانِ محبت
سر بہ سر الزام ہو کر رہ گئی ہے

گردشِ جام و سبو کو کیا ہوا ہے
گردشِ ایام ہو کر رہ گئی ہے

چشمِ قیصرؔ میں ہے رنگ و بو کا عالم
شاعری الہام ہو کر رہ گئی ہے

☆

خواب کچھ ایسے دکھاتی ہے مری جان غزل
نیند آنکھوں سے چراتی ہے مری جان غزل

مرا دل ہوتا ہے آمادہ غزل سازی پر
جب مرے سامنے آتی ہے مری جان غزل

ہر ادا اس کی الگ اس کا ہر انداز الگ
میری اپنی مری ذاتی ہے مری جان غزل

ذہن میں جب بھی ابھرتا ہے غزل چہرہ کوئی
مجھ کو آئینہ دکھاتی ہے مری جان غزل

میرے افکار کی صورت ہے غزل کی صورت
مجھ کو ہر سو نظر آتی ہے مری جان غزل

☆

ہم کو محفل تو ملی حاصل محفل نہ ملا
کوئی چہرہ یہاں آئینے کے قابل نہ ملا

سچ تو یہ ہے کہ وہ تا عمر مرے ساتھ رہے
یہ بھی سچ ہے کہ کبھی ان سے مرا دل نہ ملا

جس کی تلوار پہ دل میرا نچھاور ہوتا
شہر قاتل میں بھی ایسا کوئی قاتل نہ ملا

کس کو پہناتی مری فکر غزل کا جامہ
گلستانوں میں بھی کوئی گل کامل نہ ملا

اس نے منصف کی [illegible]
اس کو قاتل تو ملے ہیں [illegible] عادل نہ ملا

اتنی رسوا نہ ہوئی ہوگی کبھی راہبری
اس قبیلے میں کوئی رہرو منزل نہ ملا

غرق موجوں ہی میں ہو جاتے تو اچھا ہوتا
آ کے ساحل پہ بھی قیصر مجھے ساحل نہ ملا

☆

خوابوں کا اثاثہ ہے بے نام غزل چہرہ
ہر صبح غزل چہرہ، ہر شام غزل چہرہ

افکار غزل صورت، الہام غزل چہرہ
گل پوش خیالوں میں گلفام غزل چہرہ

آئینہ بھی حیرت سے منھ دیکھنے لگتا ہے
رکھتا ہے غزل پر جب الزام غزل چہرہ

میرے سفرِ فن کی روداد بس اتنی ہے
آغاز غزل چہرہ انجام غزل چہرہ

میں کیسے غزل سوچوں، میں کیسے غزل لکھوں
جاری کیا کرتا ہے، احکام غزل چہرہ

یہ بات لفافے کی صورت سے نمایاں ہے
آیا ہے غزل خط و پیغام غزل چہرہ

غزلوں کے علاوہ کچھ دیکھا ہی نہیں میں نے
ہر بات غزل چہرہ ہر کام غزل چہرہ

توبہ کا یہ قاتل ہے ایمان کا دشمن ہے
اک دستِ حنائی میں اک جام غزل چہرہ

پنجاب غزل پرور ، کشمیر غزل تیور
بنگال غزل پیکر، آسام غزل چہرہ

جس شام کا ہر لمحہ قیصرؔ تھا غزل پارہ
اب تک ہے نگاہوں میں وہ شام غزل چہرہ

☆

ملا میں خود سے، مگر سچ سے جب ملا، تو ملا
میں اپنے آپ کو پہچانے لگا، تو ملا

زہے نصیب کسی نے تو مجھ کو پہچانا
وہ میرا میں ہی سہی کوئی آشنا تو ملا

جمالِ حرفِ صداقت سے کچھ ملے نہ ملے
دل و نگاہ کو جینے کا ذائقہ تو ملا

لباس رات کے جادو کا کچھ تو چاک ہوا
جنونِ شوق کے ہاتھوں کو حوصلہ تو ملا

نظر تو آئی کہیں روشنی کی کوئی کرن
اسیر آنکھوں کو تھوڑا سا راستہ تو ملا

جو التجا تھی ہماری وہ التجا ہی رہی
مگر حضور کو کچھ حسبِ مدعا تو ملا

[illegible]

[illegible]

یہ اور بات سلامت ہے آئینہ خانہ
مگر نہ وقت کو دستِ جنوں ادا تو ملا

سکون ملتا ہے دل کو یہ سوچ کر قیصر
ہزار بت نہ سہی مجھ کو اک خدا تو ملا

☆

ستارے جب کسی مہتاب کا قصہ سناتے ہیں
مرے خوابوں کے آنگن میں اجالے مسکراتے ہیں

حقیقت سامنے لانے سے جب دامن بچاتے ہیں
تو گر کر آئینے ہاتھوں سے خود ہی ٹوٹ جاتے ہیں

ہمیں تو مسکرانے کے سوا کچھ بھی نہیں آتا
ہجوم غم میں بھی ہم لوگ یوں ہی مسکراتے ہیں

چلو اے بادہ خوارو چل کے ان کی خیریت پوچھیں
سنا ہے شیخ صاحب میکدے میں پائے جاتے ہیں

محبت میں ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں پایا
مگر پھر بھی محبت سے کہاں ہم باز آتے ہیں

تم ہی روٹھے ہوئے ہو جب ہمارے دل کی دنیا سے
چلو پھر ہم بھی اپنی زندگی سے روٹھ جاتے ہیں

☆

حسن ہر رنگ کا رنگین نمونہ معشوق
میرا معشوق ہے اردو کی غزل کا معشوق

زخم دیتا ہے مگر پھول بدن دیتا ہے
آپ نے دیکھا نہ ہوگا کہیں ایسا معشوق

اس کی ہر ایک ادا آبروئے لالہ و گل
حاصلِ جذبۂ اظہار ہے میرا معشوق

میری فطرت کو کبھی راس نہیں آئے گا
شہر کے اونچے مکانوں کا سنہرا معشوق

کتنا معصوم ہوا کرتا ہے ظالم کا فریب
کتنی آسانی سے دے جاتا ہے دھوکا معشوق

شکل کیا ہوگی رقابت کی یہی الجھن ہے
میرا معشوق بھی ٹھہرا ہے خدا کا معشوق

☆

مجھے منظر بہ منظر دیکھ لیتے
مرے دل میں اتر کر دیکھ لیتے

اٹھایا تھا جو مجنوں پر چچا نے
ذرا ہم بھی وہ پتھر دیکھ لیتے

الگ کچھ تو دکھائی دیتا تم کو
اگر کمرے سے باہر دیکھ لیتے

نہ روتے اپنی ویرانی کا رونا
اگر غالب مرا گھر دیکھ لیتے

تم اپنی پتھروں والی نظر سے
کوئی شیشے کا پیکر دیکھ لیتے

نہ ہوتی اس قدر خانہ خرابی
اگر موسم کے تیور دیکھ لیتے

پتھروں کو توڑنے والے کہاں گئے
ہیں تیشے اداس کہ جلوے کہاں گئے

وہ دھڑکنوں کے ساز، وہ نغمے کہاں گئے
سرگوشیاں کہاں گئیں، سائے کہاں گئے

اخلاص اور وفا کے نمونے کہاں گئے
جو باعثِ سکونِ نظر تھے کہاں گئے

تھی جن کے دم سے انجمنِ دل میں روشنی
مہتاب پھول جیسے وہ چہرے کہاں گئے

چھایا ہوا ہے ظلمت سے تیرگی کا رنگ
آنکھوں سے خواب خواب اب سے کہاں گئے

☆

پستیوں کو اور تیزی سے ابھرنا چاہیے
آسمانوں کو زمینوں پر اترنا چاہیے

اس کے دل میں ہے اندھیروں کو مٹانے کی للک
اس لئے جگنو کا استقبال کرنا چاہیے

سوچنے کا وقت ہی باقی کہاں ہے دوستو
جو بھی کرنا ہے تمھیں اب کر گزرنا چاہیے

موت وہ جس کو ہمیشہ یاد رکھے زندگی
یہ اگر سچ ہے تو سچائی پہ مرنا چاہیے

[illegible]
[illegible]

اس سے اچھا اور کوئی مصرف نہیں ہے خون کا
زندگی کی مانگ میں سیندور بھرنا چاہئے

بھولنے پائے نہ قیصرؔ جس کو تاریخ جہاں
زندگی میں ایسا کوئی کام کرنا چاہئے

☆

جب بھی مجھ کو اپنا بچپن یاد آتا ہے
بچپن کے اک پیار کا بچپن یاد آتا ہے

دیکھ کے اس منھ زور جوانی کی منھ زوری
مجھ کو اس کا توتلا بچپن یاد آتا ہے

عورت ماں تھی، بہن تھی، دادی تھی، نانی تھی
کورے کاغذ جیسا بچپن یاد آتا ہے

طوفانی بارش گھر میں سیلاب کا عالم
ٹھنڈا چولہا بھوکا بچپن یاد آتا ہے

تنہائی کا دکھ تو کم ہو کسی بہانے
دیکھیں کس کا کس کا بچپن یاد آتا ہے

☆

یوں ہوئی ہے مری تہذیب کے کردار کی موت
جیسے ہوتی ہے کسی سایۂ دیوار کی موت

جس طرف دیکھیے جلووں کی فراوانی ہے
کیا تعجب جو ہوئی خواہشِ دیدار کی موت

میرا اللہ نگاہوں کو سلامت رکھے
لب کے سی لینے سے ہوتی نہیں اظہار کی موت

کس لئے پڑ گئے یاروں کی زباں پر تالے
کیا ہوا، ہو گئی کیوں شوخیِ گفتار کی موت

اپنی ہی آگ میں جل جائے گی اپنی دنیا
گھر کا نقصان ہے یہ جذبۂ ایثار کی موت

زندگی سر بہ گریباں ہے تو حیرت کیسی
ہے بڑا سانحہ افکار کے اقدار کی موت

☆

راہ پرخار بھی گلزار کے ہالے میں رہے
معجزہ ایسا کوئی پاؤں کے چھالے میں رہے

بجھنے پائی نہ کبھی اپنی انا کی قندیل
ہم اندھیرے میں رہے پھر بھی اجالے میں رہے

دوستو میں کوئی جمشید نہیں ہوں پھر بھی
میری خواہش ہے کہ دنیا مرے پیالے میں رہے

میں تو میخوار ہوں میخانہ ہی سب کچھ ہے مرا
کوئی مسجد میں رہے کوئی شوالے میں رہے

تری فریاد سے پتھر بھی پگھل سکتا ہے
شرط اتنی ہے کہ گرمی ترے نالے میں رہے

☆

بارشِ سنگ میں نہاتے رہے
ہم غزل آئینہ بناتے رہے

خود پہ ہم قہقہے لگاتے رہے
مشکلوں کا مذاق اڑاتے رہے

ہم فریبِ سراب کھاتے رہے
لطفِ تشنہ بی اٹھاتے رہے

گھر سجانے کے نام پر ہم لوگ
صرف دیوار کو سجاتے رہے

خود تو انسان بھی نہ بن پائے
پتھروں کو خدا بناتے رہے

☆

یہ انجمنِ دل ہے شبستانِ غزل ہے
یا میر تقی میر کا ایوانِ غزل ہے

ایمان کی کہتا ہوں یہ ایمانِ غزل ہے
دل میرا ازل ہی سے ثنا خوانِ غزل ہے

غالب کا جو دیوان ہے قرآنِ غزل ہے
مومن کا جو دیوان ہے دیوانِ غزل ہے

یہ بات غزل روپ کے رسیا نے کہی ہے
اندازِ غزل خود ہی نگہبانِ غزل ہے

ہر ناز دھنک رنگ ہے ہر بات دل آویز
اک پیکرِ انوار یہ عنوانِ غزل ہے

ہر حال میں دیتی ہے غزل دل کو سہارا
تنہائی کی راتوں کو بھی ارمان غزل سے

آئینۂ شبنم میں جسے دیکھا تھا میں نے
وہ پیکرِ نادیدہ مری جان غزل ہے

رہتا ہے شب و روز طلسمات کا عالم
خوابوں کا جزیرہ ہے پرستانِ غزل ہے

کیوں اس کے مقدر میں نہیں جلوۂ یوسف
قیصر دلِ شاعر بھی تو کنعانِ غزل ہے

☆

اثاثہ اپنا کھوتی جا رہی ہے
یہ دنیا کیسی ہوتی جا رہی ہے

کسی کا خواب شاید مر گیا ہے
اندھیری رات روتی جا رہی ہے

بہر صورت مری چشم تمنا
سحر کے بیج بوتی جا رہی ہے

محبت دیدۂ شبنم او سے
زمینوں کو بھگوتی جا رہی ہے

نگاہوں کو اجالوں کی سیاہی
ندھیروں میں ڈبوتی جا رہی ہے

مرے خوابوں کی آنکھیں جاگتی ہیں
مگر تعبیر سوتی جا رہی ہے

غزل گلزار کی معصوم تھی
بہت بے باک ہوتی جا رہی ہے

یہ شاید بے بسی کی انتہا ہے
دلہن ڈولی میں سوتی جا رہی ہے

مری فکر و نظر کی تم نگاہی
[illegible] ہوتی جا رہی ہے

☆

نئے نئے گل کھلا رہے ہیں
غزل کو دلہن بنا رہے ہیں

کرن کرن آیتِ تبسم
وہ اس طرح مسکرا رہے ہیں

دل و نظر پر برس رہے ہیں
گھٹا کی مانند چھا رہے ہیں

ادا ستم کی یہ کہہ رہی ہے
کہ دل کو غم گدا گدا رہے ہیں

چلو ذرا رند بن کے دیکھیں
بہت دنوں پارسا رہے ہیں

ہم اپنے اندر کے آدمی کو
غزل سنا کر جگا رہے ہیں

بس اک نگاہِ غلط کے صدقے
ضمیر کی مار کھا رہے ہیں

خودی کو چھوڑا ، خدا کو بھولے
جگہ جگہ سر جھکا رہے ہیں

ہے صبح سے بھی ہمارا رشتہ
شبوں سے بھی نبھا رہے ہیں

نہیں وہ ذوق ہے رات قیصر
جو خونِ دل کا جلا رہے ہیں

☆

کچھ سچ کے حوالے سے کہتے ہوئے آئینے
پتھریلی زمینوں پر بکھرے ہوئے آئینے

آخر مرے چہرے کی تکمیل بھی کیسے ہو
تقدیر میں لکھے ہیں ٹوٹے ہوئے آئینے

شاداب تھے چہرے تو آئینے بھی سچے تھے
چہروں کی ادا بدلی جھوٹے ہوئے آئینے

گزرے ہوئے موسم کی تصویر دکھاتے ہیں
یادوں کی حویلی میں رکھے ہوئے آئینے

سچائی کو دیکھا ہے پیراہن باطل میں
کیسے تھے یہ آئینے، بکے ہوئے آئینے

یہ روز ازل ہی سے پتھر کے مخالف ہیں
اعلان صداقت کا کرتے ہوئے آئے

آنگن کا اجالا تو بازار کی زینت ہے
تنہائی میں روتے ہیں ترسے ہوئے آئینے

[illegible]
چہروں کی لکیروں کو گنتے ہوئے آئے

☆

پھر ذوقِ سفر زادِ سفر باندھے ہوئے ہے
قدموں کو مگر راہ گزر باندھے ہوئے ہے

شاعر کے خیالات کا اعجاز تو دیکھو
الفاظ کی مٹھی میں گہر باندھے ہوئے ہے

سچ یہ ہے کہ راتوں کا نمائندہ ہے وہ شخص
پیشانی پہ اپنی جو سحر باندھے ہوئے ہے

کچھ اور نظر آتا نہیں اس کے علاوہ
وہ حسنِ نظر میری نظر باندھے ہوئے ہے

کعبہ ہے کہ بت خانہ مجھے کچھ نہیں معلوم
اک نقشِ کفِ پا مرا سر باندھے ہوئے ہے

وہ بھی نہ کبھی دیکھ سکا صورتِ منزل
گٹھڑی میں جو صدیوں کا سفر باندھے ہوئے ہے

محلوں کی طرف خواب بھی جاتے نہیں میرے
دل کو مرے مٹی کا یہ گھر باندھے ہوئے ہے

زہرابِ تمنا کا مزا پوچھیے اس سے
وہ شخص جو مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہے

اک خواب نے کچھ ایسا ڈرایا مجھے قیصرؔ
اب تک مرے احساس کو ڈر باندھے ہوئے ہے

☆

زمیں کے مسئلوں کو حل کرے گا
یہ کارِ خیر بھی پاگل کرے گا

بھروسا ہے مجھے اپنے خدا پر
وہ میرے درد کو صندل کرے گا

کبھی قہر و غضب ڈھائے گا دریا
کبھی ظلم و ستم بادل کرے گا

سیاہی سر اٹھا کر چل سکے گی
کچھ ایسا کام یہ کاجل کرے گا

غزل کی ریشمی زلفوں کا بادل
سلگتی دھوپ کو شیتل کرے گا

وہ لفظوں کی سیاست جانتا ہے
صدی کو چٹکیوں میں پل کرے گا

مری ماں ٹھیک ہی کہتی تھی قیصرؔ
یہ کل ہی ایک دن بے کل کرے گا

☆

یہ جو کچھ دانشورانِ ذی حشم ہیں محترم
مفتیانِ مذہب لوح و قلم ہیں محترم

یہ ہمارا عہد عہدِ شتہاری ہے جناب
چاہے کوئی انجمن ہو ہم ہی ہم ہیں محترم

کم سے کم سنتے تو ہیں خاموش رہ کر التجا
آپ سے اچھے تو پتھر کے صنم ہیں محترم

ہم قلندر ہیں ہمارا دین ہے دینِ وفا
ہم ازل سے بے نیازِ بیش و کم ہیں محترم

دشمنوں کی دشمنی کا ذکر رہنے دیجئے
آپ کے بھی ہم پہ کیا احسان کم ہیں محترم

یہ جو گرد آلود ہیں، ٹوٹے ہوئے ہیں، تشنہ ہیں
پاسبانِ عظمتِ لوح و قلم ہیں محترم

آپ کہتے ہیں جنھیں اونچائیوں کی انتہا
ایسے بھی کچھ آسماں زیرِ قدم ہیں محترم

اپنا چہرہ دیکھنے کو ہر کوئی بیتاب ہے
بھیڑ ہے چہروں کی آئینے ہی کم ہیں محترم

آپ کا اسمِ گرامی ہی نہیں ہے باوقار
آپ کے افکار بھی تو محترم ہیں محترم

☆

تیری ہر بات مان جاؤں گا
ہنستے ہنستے فریب کھاؤں گا

تجھ کو رودادِ غم سناؤں گا
اپنی تقدیر آزماؤں گا

جب پکارے گا میکدہ مجھ کو
تیری آنکھوں میں ڈوب جاؤں

جس کو سنتے ہی دل مچل جائے
تجھ کو ایسی غزل سناؤں گا

تو بہر حال دل کو توڑے گا
میں بہر حال مسکراؤں گا

تو نے پتھر سے دوستی کر لی
میں غزل کو دلہن بناؤں گا

تو لگاتار زخم کھائے گا
میں لگاتار یاد آؤں گا

یوں گزاروں گا رات دن اپنے
اس کو سوچوں گا مسکراؤں گا

اپنے ہی ساتھ آنکھ بھر
[illegible]

اس کی صورت ہی اتنی پیاری ہے
[illegible]

اپنی بزم خیال کو قیصر
پھر نئے طور سے سجاؤں گا

☆

جواں راتوں کے نغمے سنا رہا ہے مجھے
وہ کچھ دنوں سے بہت یاد آ رہا ہے مجھے

نگاہ اس کی سراپا طلسم ہوش ربا
وہ سب کے سامنے مجھ سے چرا رہا ہے مجھے

میں آج تک اسے کوئی بھی نام دے نہ سکا
عجب نگاہ سے وہ دیکھتا رہا ہے مجھے

وہ جس کو میں نے تبسم کی اک کرن بھی نہ دی
وہ اپنے خواب میں بھی سوچتا رہا ہے مجھے

تمام عمر جو ناآشنا رہا مجھ سے
وہی غزل کی طرح گنگنا رہا ہے مجھے

کہیں بھی برسے یہ بادل ضرور برسے گا
تمہاری زلف کا تیور بتا رہا ہے مجھے

میں جس کے گھر کا دیا ہوں اسے سمجھ نہ سکا
جلا رہا ہے مجھے یا بجھا رہا ہے مجھے

جہاں بھی چاہے مرا نام بیچ دیتا ہے
وہ مال مفت سمجھ کر لٹا رہا ہے مجھے

یہ دل اسیر ہے گیسوئے خاک کا لیکن
وہ آسمانوں کی جانب بلا رہا ہے مجھے

☆

پیار کا دل کو روگ لگا ہے پہلی بار
دل میرا بیمار ہوا ہے پہلی بار

میں نے تیرا نام لیا ہے پہلی بار
تیرے بارے میں سوچا ہے پہلی بار

ایسا اک سپنا دیکھا ہے پہلی بار
سپنوں کو آکار ملا ہے پہلی بار

چہرے اب تک دیکھ رہے تھے درپن کو
درپن نے چہرہ دیکھا ہے پہلی بار

کرنیں پہلی بار بچھی ہیں آنگن میں
چاند مرے گھر میں آیا ہے پہلی بار

جو بھی ہے اس شہر میں دل کا دشمن ہے
دل نے کچھ ایسا سوچا ہے پہلی بار

میرے ارمانوں کی بنجر دھرتی پہ
زلفوں کا بادل چھایا ہے پہلی بار

تعبیروں کا مالک میری لاج رکھے
میں نے کوئی خواب بنا ہے پہلی بار

نسیمہ جی کی بھولی بھالی غزلوں میں
مستقبل کا رس بول رہا ہے پہلی بار

☆

نئی راہوں پہ چلنا چاہتا ہے
وہ اپنا گھر بدلنا چاہتا ہے

تری پلکوں کی چلمن میں چھپا ہے
وہ اک جادو جو چلنا چاہتا ہے

کوئی تو ہاتھ اس کا تھام لیتا
وہ آوارہ سنبھلنا چاہتا ہے

ٹھہرنا چاہتے ہیں پاؤں میرے
مگر دل ہے کہ چلنا چاہتا ہے

چراغِ حسن بن کر تیرا چہرہ
مری آنکھوں میں جلنا چاہتا ہے

شکستِ خواب کا ہر ایک منظر
نئے منظر میں ڈھلنا چاہتا ہے

یہ آئینہ بھی کیسا آئینہ ہے
مری صورت بدلنا چاہتا ہے

غمِ بے چہرگی کی بدنمائی
مرے چہرے پہ ملنا چاہتا ہے

[illegible]
[illegible] چاہتا ہے

☆

یہ دل، دل میں اترنا چاہتا ہے
کسی سے بات کرنا چاہتا ہے

دل شاعر بکھرنا چاہتا ہے
یہ شیرازہ بکھرنا چاہتا ہے

کسی پر تو چلا ہے تیرا جادو
کوئی تو ہے جو مرنا چاہتا ہے

تری زلفیں بکھرنا چاہتی ہیں
کہ بادل رقص کرنا چاہتا ہے

کوئی شہر جنوں کا شاہزادہ
غزل کی مانگ بھرنا چاہتا ہے

سنا یہ ہے کہ اب سورج کا لشکر
زمینوں پر اترنا چاہتا ہے

مرے دل کے اندھیرے آئینے میں
کوئی چہرہ سنورنا چاہتا ہے

جو انساں زندگی کی زندگی تھا
وہ کیوں بے موت مرنا چاہتا ہے

ندی غرقاب کرنے پر تلی ہے
مسافر پار اترنا چاہتا ہے

بلندی اس کی خطرے میں ہے شاید
وہ میرے پر کترنا چاہتا ہے

وہ میری آئینہ غزلوں پہ قیصر
کوئی الزام دھرنا چاہتا ہے

☆

فطرتِ خاک کو بدل نہ سکے
خاک چہرے پہ اپنے مل نہ سکے

وہ بھی اپنی روش بدل نہ سکے
ہم بھی ہمراہ ان کے چل نہ سکے

اس غزل کو غزل نہیں کہتے
آ کے ہونٹوں پہ جو مچل نہ سکے

آستیں اس کو کیسے کہیے گا
سانپ جس آستیں میں پل نہ سکے

شاعری اس کے بس کا روگ نہیں
آگ کھا کر جو پھول اگل نہ سکے

ایسے ہم الجھے ان کی زلفوں میں
الجھنوں سے کبھی نکل نہ سکے

ان کی کچھ اپنی مصلحت ہوگی
جو مرے ساتھ ساتھ چل نہ سکے

اس سلیقے سے اس نے دی ہے شکست
کفِ افسوس بھی تو مل نہ سکے

خوش خرامی نے کر دیا رسوا
کوئے دانشوراں میں چل نہ سکے

اپنا چہرہ بدل گیا لیکن
اپنی قسمت کو ہم بدل نہ سکے

ہے یہ قیصرؔ ہماری بدبختی
ٹھوکریں کھا کے بھی سنبھل نہ سکے

☆

پانی ، پنگھٹ ، گگری ، غزلیں
رادھا ، موہن ، مرلی ، غزلیں

اپنے گاؤں کا بہتا دریا
اپنی مٹی ، اپنی غزلیں

اپنا قصہ، اپنی باتیں
اپنی بیتی ، اپنی غزلیں

میری ہندستانی مٹی
میری ہندستانی غزلیں

گاؤں کے سیدھے سادے نغمے
گاؤں کی سیدھی سادی غزلیں

یہ میرے ان دیکھے سپنے
یہ میری ان دیکھی غزلیں

☆

قیصر صدیقی کی غزلیں
اندھی ، گونگی ، بہری غزلیں

بے رس ، پھیکی پھیکی غزلیں
باسی شاعر ، باسی غزلیں

کیسی ہوں گی ایسی غزلیں
بھوکی، پیاسی، ننگی غزلیں

اللہ جانے کیا ہوتی ہیں
نوری غزلیں، ناری غزلیں

غزلوں کا بازار سجا ہے
نیلی ، پیلی، کالی غزلیں

قیصر صاحب آپ بھی لکھیے
بے مطلب بے معنی غزلیں

☆

[illegible] پھیر کر وہ سب سے گیا بھی تو کیا گیا
کم بخت سارے شہر کو پاگل بنا گیا

پتھر کو بولنے کی ادائیں سکھا گیا
وہ شخص کیسے کیسے تماشے دکھا گیا

اس کو یہاں سے جانے کا بے حد ملال تھا
مڑ مڑ کے اپنے گھر کی طرف دیکھتا گیا

[illegible] محبت سے [illegible]
تھوڑا جو فاصلہ تھا اسے بھی مٹا گیا

سب جانتے ہوئے بھی میں انجان ہی رہا
اس نے سمجھ لیا کہ میں دھوکے میں آ گیا

یہ کون دے رہا ہے در دل پہ دستکیں
یہ کون میرے خواب کی دیوار ڈھا گیا

کچھ اور پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی
ہلکے سے مسکرا کے وہ سب کچھ بتا گیا

دے تو گیا عذاب جدائی مجھے مگر
گرہیں جو دل میں تھیں وہ انھیں کھولتا گیا

کوئی بھی عذر لنگ کی صورت نہیں رہی
و اب تمھارے سامنے آئینہ آگیا

جس کا ہر ایک نقش کفِ پا ہے آئینہ
اس راہرو کو ڈھونڈنے خود راستہ گیا

حاضر ہوا ہوں جب بھی تری بزمِ ناز میں
ایسا لگا کہ آئینہ خانے میں آگیا

وہ داستان گو بھی عجیب و غریب تھا
گونگی عبارتوں سے کہانی سنا گیا

قیصر کے دم سے تھوڑی بہت روشنی تو تھی
لے آج تیری بزم سے وہ بھی چلا گیا

☆

بت کدے میں ہے نہ کعبے میں نہ ویرانے میں ہے
زندگی کی دلکشی کچھ ہے تو میخانے میں ہے

آئنے میں دیکھ کر خود اپنی صورت کا جمال
آئینہ گر کو حیرت آئینہ خانے میں ہے

[illegible]
غم بنام روشنی اب میرے کاشانے میں

بادۂ رنگیں میں تو ہوتا نہیں اتنا سرور
[illegible] جو مستی تری آنکھوں کے پینے میں ہے

روح افسانہ نگاری تنگ ہو کر رہ گئی
اتنی سچائی کی تلخی میرے افسانے میں ہے

بے زبان و بے نوا ہوں کیسے سمجھاؤں تمھیں
کس قدر لذت فریب آرزو کھانے میں ہے

کوئی دیوانہ ہی تم کو راز یہ بتلائے گا
کون ہے صحنِ حرم میں کون بت خانے میں ہے

راز یہ اب تک سمجھ پایا نہ میں قیصرؔ میاں
خود کو کھونے میں ہے لذت یا انھیں پانے میں ہے

☆

نہ ہونے کے برابر میرا ہونا
عجب ہوتا ہے قصہ میرا ہونا

مری خوشبو چمن کی آبرو ہے
مبارک ہے معطر میرا ہونا

کسی حسن رخ زیبا کے صدقے
کوئی دیکھے منور میرا ہونا

جبھی رہتی ہیں آئینے کی نظریں
مرے کام آیا پتھر میرا ہونا

لب جاں بخش کے بوسے کہاں اب
کہ ناممکن ہے ساغر میرا ہونا

[illegible]
ترے قد کے برابر میرا ہونا

مبارک کارزارِ فکر و فن میں
بیک جنبش مظفر میرا ہونا

مری مایوسیوں کی انتہا ہے
یہ اپنے گھر میں بے گھر میرا ہونا

مری قسمت کی ہے معراج قیصرؔ
یہ خاکِ پائے حیدر میرا ہونا

تم خواب میں آؤ گے یہ معلوم نہیں تھا
پھر خواب دکھاؤ گے یہ معلوم نہیں تھا

تم کعبے کو ڈھاؤ گے یہ معلوم نہیں تھا
دل توڑ کے جاؤ گے یہ معلوم نہیں تھا

جس خط میں ٹنکے تھے مرے اشکوں کے ستارے
وہ خط بھی جلاؤ گے یہ معلوم نہیں تھا

کچھ عکس مرے آئینہ خانے سے چرا کر
مجھ کو ہی دکھاؤ گے یہ معلوم نہیں تھا

قد میرا گھٹاؤ گے مجھے اس کی خبر تھی
سائے کو بڑھاؤ گے یہ معلوم نہیں تھا

یہ تو مجھے معلوم تھا تم جاؤ گے، لیکن
اس طرح سے جاؤ گے یہ معلوم نہیں تھا

اک لمحہ کی آوارہ نگاہی کے سہارے
دل میں اتر آؤ گے یہ معلوم نہیں تھا

تم ہولی بھی کھیلو گے مرے دل کے لہو سے
دامن بھی بچاؤ گے یہ معلوم نہیں تھا

حیرت میں ہیں احباب کہ اس عمر میں قیصر
یوں دھوم مچاؤ گے یہ معلوم نہیں تھا

دل کے میلے آنچلوں کی جانی پہچانی ہوا
چل رہی ہے دھوپ کے صحرا میں برفانی ہوا

میں کہ اک سوکھا ہوا پتہ ہوں اپنی شاخ کا
کیا پتہ مجھکو کہاں لے جائے دیوانی ہوا

[illegible]
ان ہواؤں کو کہا جاتا ہے لاثانی ہوا

جس سے جلنے نہیں دیتی مرے گھر میں چراغ
کرتی رہتی ہے ہمیشہ اپنی من مانی ہوا

[illegible]
[illegible]

بستیوں کو موردِ الزام مت ٹھہرائیے !
بستیوں میں شہر سے آئی ہے شیطانی ہوا

آرزوئے نونہالانِ چمن کی خیر ہو
روند کر رکھ دے نہ ان پھولوں کو بیگانی ہوا

آگ کو سمجھا گیا ہے گھر کے جلنے کا سبب
ہوشیاری سے کیا کرتی ہے نادانی ہوا

ڈس رہی تھیں کالی کالی آندھیاں احساس کو
ہوگئی ہے آپ کے آتے ہی نورانی ہوا

گیسوؤں کی انجمن میں آنچلوں کی بزم میں
سیکھ کر آئی ہے آئینے سے حیرانی ہوا

اونچی اونچی کوٹھیوں والوں سے جا کر پوچھئے
شہر میں کیسے چلی آئی بیابانی ہوا

قوس اور قیصر کے بارے میں ہمیں معلوم ہے
ایک ہے بادِ صبا اور ایک طوفانی ہوا

☆

زلفوں کے سائے میں آ کر چین ملا ہے پہلی بار
میری پیاسی آنکھوں نے دریا دیکھا ہے پہلی بار

پیار کسے کہتے ہیں یہ احساس ہوا ہے پہلی بار
میرے دل میں میٹھا میٹھا درد اٹھا ہے پہلی بار

مہندی والی چاہت کا پیغام ملا ہے پہلی بار
اس نے اپنے ہاتھ پہ میرا نام لکھا ہے پہلی بار

پہلی بار سنائی دی ہے دل کے دھڑکنے کی آواز
دیکھ کے تیری بھولی صورت دل مچلا ہے پہلی بار

پہلی بار ترس آیا ہے اس کو میری حالت پر
[illegible] سے [illegible] دیکھ رہا ہے پہلی بار

چاند اتر آیا ہے میرے خوابوں کی انگنائی میں
گھونگھٹ واں رات کا جادو دل پہ چلا ہے پہلی بار

اس کے پیار میں قیصر صاحب آج تلک میں زندہ ہوں
جس نے میرے ارمانوں کو قتل کیا ہے پہلی بار

[illegible]
[illegible]

راضی بہ رضا ہوتا ہے ذات کی مجبوری
سورج کے ستم سہنا ذرات کی مجبوری

کس موڑ پہ مارا ہے زلفوں کی گھٹاؤں نے
دیکھی ہے نہیں جاتی برسات کی مجبوری

پاکیزگیِ غم کو رسوا نہ کہیں کر دے
احساس کی بے تابی، جذبات کی مجبوری

کچھ حوصلہ ملتا ہے سورج کی تمازت سے
برسات ہی ہوتی ہے، برسات کی مجبوری

اس ہاتھ کی مجبوری شیشے بھی ہوتی ہے
[illegible]

کچھ کہہ بھی نہیں سکتے، یہ رسم محبت ہے
ہر بات کی پابندی ہر بات کی مجبوری

نغمہ تو غموں کی بھی تقدیر بدلتا ہے
راس آتی ہے غزلوں کو نغمات کی مجبوری

ہر شخص کے چہرے پر اب دھول سی اڑتی ہے
شہروں میں چلی آئی دیہات کی مجبوری

پھر چاندنی راتوں کے چہرے نہ کبھی دیکھے
قیصر مجھے لے ڈوبی اک رات کی مجبوری

☆

نفرت کی ہر کوشش کو بے کار کریں گے
پیار ہمارا مذہب ہے ہم پیار کریں گے

ہم تو متھرا نگری کے پریمی ہیں بھائی
پیار کریں گے، اور سرِ بازار کریں گے

میں نے ہی دیوار اٹھائی ہے آنگن میں
میرے ہی بچے اس کو مسمار کریں گے

[illegible]
دیکھنا یہ ہے اور کتنا انکار کریں گے

اب کے موسم گل نے یہ اعلان کیا ہے
پھولوں کی شاخوں کو ہم تلوار کریں گے

جھوٹے سچے خواب دیکھنے سے کیا حاصل
سوچ ہے اب خود کو ہم بیدار کریں گے

☆

چاند نے چاندی برسائی ہے پہلی بار
چاندنی میرے گھر آئی ہے پہلی بار

پہلی بار بجی ہے گھر میں شہنائی
شوخ جوانی شرمائی ہے پہلی بار

میرے احساسات کے تپتے صحرا میں
زلفوں کی بدلی چھائی ہے پہلی بار

میرے نام کو پہلی بار لگے ہیں پر
میرے نام پہ رسوائی ہے پہلی بار

جھانک کے میرے خوابوں کے آئینے میں
اس نے صورت دکھلائی ہے پہلی بار

پہلی بار نظر میں سرسوں پھولی ہے
سامنے ایک انگڑائی ہے پہلی بار

آنے کا کچھ مقصد تو ہوگا قیصر
عشق جنوں سے گھر آئی ہے پہلی بار

☆

کبھی خودی ہے کبھی حسن بے خودی ہے غزل
جمالِ ذات کا پرتو بنی ہوئی ہے غزل

مرے لہو میں کچھ اس طرح سے رچی ہوئی ہے غزل
مرے وجود کا آئینہ بن گئی ہے غزل

دکھائی دیتا نہیں اور کچھ بھی اپنے سوا
نگار خانے میں حیرت زدہ کھڑی ہے غزل

یہ خواب خواب اجالے اسی کا صدقہ ہیں
تمام عمر مری ہم سفر رہی ہے غزل

کوئی بھی گوشہ اچھوتا نہیں رہا اس سے
مرے خیال میں تصویرِ زندگی ہے غزل

تجلیوں سے شرابور ہو رہی ہے نگاہ
شفق ادا سے مرے دل میں جھانکتی ہے غزل

میں اس کو سوچتا رہتا ہوں رات دن لیکن
یہ دیکھنا ہے کہ کب مجھ کو سوچتی ہے غزل

چھلکتی ہے کبھی جام شراب سے غزل
کبھی سماع کی محفل میں ناچتی ہے غزل

اب اس کے بارے میں کچھ سوچنا ہے کیا قیصر
حدِ قیاس سے آگے نکل گئی ہے غزل

☆

دیکھا نہ کوئی ایسا طرح دار غزل رنگ
زلفیں ہیں غزل رات سی، رخسار غزل رنگ

اس پار غزل رنگ ہے، اس پار غزل رنگ
ہیں آج کے سب کوچہ و بازار غزل رنگ

ہوتے نہ بھلا کیوں مرے افکار غزل رنگ
قسمت سے ملا ہوں کا مجھے پیار غزل رنگ

تنہائی بھی رنگین ہوا کرتی ہے میری
رہتا ہے مرے ساتھ مرا یار غزل رنگ

جس گھر میں بکھرتا ہے غزل روپ کا جلوہ
ہو جاتے ہیں اس کے در و دیوار غزل رنگ

پھر دیکھتی دنیا مری غزلوں کا تماشا
اے کاش! کہ ملتا لب اظہار غزل رنگ

جلووں کا چمن بدلا تو بدلی ہے نظر بھی
ہو بھی تو بھلا کیسے ہو دیدار غزل رنگ

دنیا جو سمجھتی ہے سمجھتی رہے قیصرؔ
غزلوں سے ہے شاعر کا سروکار غزل رنگ

☆

اتر آیا ہے دل میں بے حجابانہ غزل چہرہ
بنا دے گا مجھے بھی آئینہ خانہ غزل چہرہ

در و دیوار پر جس کے سیاہی رقص کرتی ہے
وہیں ملتا ہے کوئی صاحبِ خانہ غزل چہرہ

کہیں الزام آجائے نہ میری پارسائی پر
ہے دستِ ساقیِ رنگیں میں پیمانہ غزل چہرہ

نہ جانے ہوگئیں ہیں اجنبی سی کیوں غزل راہیں
نہ جانے کیوں ہوا ہے مجھ سے بیگانہ غزل چہرہ

غزل انوار سے روشن رہا کرتا ہے دل میرا
سناتا ہے غزل دستور افسانہ غزل چہرہ

☆

(بہارِ عرب کی نذر)

شفق شفق تنویر مبارک
خوابوں کو تعبیر مبارک

آوازوں کے تیر مبارک
لفظوں کی شمشیر مبارک

رحمت بادل کی انگڑائی
آہوں کی تاثیر مبارک

صحرا کی ویران فضا کو
گلشن کی توقیر مبارک

جسموں پہ کھلتے پھولوں کو
روحوں کی تطہیر مبارک

نگاروں کی اس بارش میں
پھولوں کی تصویر مبارک

ذہن و دل کے ویرانوں کو
کھوئی ہوئی جاگیر مبارک

مژدہ اے بیماریٔ امت
مینائے اکسیر مبارک

نئی نویلی کرن کو قیصر
نور دل شبیر مبارک

☆

بیمار خیالوں کو بہر حال کرم خواب
فن کار نگاہوں کے لئے صرف صنم خواب

سہمی ہوئی ہستی کے مقدر میں ہے پستی
ذہنوں کو اپاہج ہی نہ کردے یہ ستم خواب

ارزانی تعبیر سے حیراں ہے نگاہیں
اس طرح نے کھودے نہ کہیں اپنا بھرم خواب

صحرا سے عبارت ہے مرے خواب کی دنیا
تنہا ہے مرا خواب نہیں کوئی بھی ہم خواب

پھولوں کے لئے شعلۂ جاں سوز کا جاماں
پتھر کے لئے پیرہن اطلس و کمخاب

ہم تم بھی کبھی ایک ہی رستے کے تھے راہی
ہم تم نے بھی دیکھے تھے کبھی مل کے بہم خواب

اشکوں نے تو آئینے کی صورت ہی بدل دی
دیکھے بھی تو کس طرح سے یہ دیدۂ نم خواب

اب اور کسی سمت میں دیکھوں تو بھی کیسے
آنکھوں میں رہا کرتے ہیں قیصرؔ ہمہ دم خواب

☆

عہد نا سازگار کی صورت
صرف گرد و غبار کی صورت

دیدۂ بیقرار کی صورت
موسمِ انتظار کی صورت

دھوپ کے خنجروں کی زد میں ہے
زندگی ریگ زار کی صورت

خشک ٹہنی پہ کھل گیا ہوں میں
غنچۂ نوبہار کی صورت

اپنے خوابوں کو دیکھتا ہوں میں
"خانۂ بے نگار کی صورت

راز اخبار ہو گئے سارے
ب کہاں رازدار کی صورت

نفرتوں کے اتر گئے چہرے
دیکھ کر میرے پیار کی صورت

دیکھنا تو یہ کون ہے قیصرؔ
پہلوئے گُل میں خار کی صورت

☆

بے رنگ ہے بے نور ہے اپنا چہرہ
آئینوں کا ناسور ہے اپنا چہرہ

اس چہرے کو چہرہ بھی نہیں کہہ سکتے
چہروں سے بہت دور ہے اپنا چہرہ

جس خاک سے تعمیر ہوئی ہے اپنی
اس خاک کا دستور ہے اپنا چہرہ

وہ عہد جو نظروں سے ابھی اوجھل ہے
اس عہد کا منشور ہے اپنا چہرہ

یوں وقت کے قدموں نے اسے روندا ہے
رستے کی طرح چور ہے اپنا چہرہ

صورت سب نادار ہیں اپنی آنکھیں
عکس دل مجبور ہے اپنا چہرہ

٭

ابھی ہے وقت یہاں سے نکل چلو چپ چاپ
حصارِ سود و زیاں سے نکل چلو چپ چاپ

فریبِ امن و اماں سے نکل چلو چپ چاپ
کہ شہرِ دشمنِ جاں سے نکل چلو چپ چاپ

جہاں چھپے ہو وہاں سے نکل چلو چپ چاپ
یہی کہ خیمۂ جاں سے نکل چلو چپ چاپ

دیارِ کاہکشاں سے نکل چلو چپ، چاپ
میانِ کون و مکاں سے نکل چلو چپ چاپ

یہاں نہ پوچھے گا کوئی تمھارے چہرے کو
ہجومِ دیدہ وراں سے نکل چلو چپ چاپ

تمھیں کہیں کا نہ رکھے گا عالمِ تشکیک
مقامِ وہم و گماں سے نکل چلو چپ چاپ

تمھاری آنکھوں کو آتا ہے گفتگو کرنا
عذاب لفظ و بیاں سے نکل چلو چپ چاپ

بکھر نہ جائے کہیں ٹوٹ کر غزل درپن
نواہ سنگ دلاں سے نکل چلو چپ چاپ

وفا کو چاہیے عزم و حسینیت کی ادا
نواں برائے فغاں سے نکل چلو چپ چاپ

تلے ہوئے ہو بھلا خودکشی پہ کیوں قیصر
اب اس پرانے مکاں سے نکل چلو چپ چاپ

☆

یاد ہے اب تک مجھے اپنے بزرگوں کا سبق
زرد رو ہوتا ہے باطل سرخرو ہوتا ہے حق

خون جاتا ہے کوئی بھی ہورائیگاں ہوتا نہیں
جاتے جاتے دے گیا سورج ہمیں رنگ شفق

خاک پر ہے سر بہ سجدہ چاند تاروں کا غرور
آدمی کی مٹھیوں میں بند ہیں چودہ طبق

بات یہ میں نے بزرگوں سے سنی ہے بارہا
بے کسوں کی آہ سے پتھر بھی ہو جاتا ہے شق

جانے کتنے نام ہیں منسوب میرے نام سے
پھر بھی سادہ ہے کتابِ زندگی کا ہر ورق

لگ گیا ہے تمھارے دل کو بھی چاہت کا روگ
جانے میں کیوں آج یہ چہرہ نظر آتا ہے فق

ایک مدت ہو گئی قیصر اسے بچھڑے ہوئے
دل سے جاتی نہیں اس کی جدائی کا قلق

☆

تاریکیوں پہ چھائی ہوئی ہے شبِ فراق
انوار میں نہائی ہوئی ہے شبِ فراق

پھیلی ہوئی ہے چاروں طرف چاندنی کی راکھ
مہتاب کی جلائی ہوئی ہے شبِ فراق

تنہائیاں ہی ڈستی ہیں ان کے قریب بھی
احساس میں سمائی ہوئی ہے شبِ فراق

تہمت کسی پہ رکھنا سراسر فریب ہے
خود اپنی ہی بنائی ہوئی ہے شبِ فراق

میرے ہی پاس آپ اسے رہنے دیجیے
ہنگاموں کی ستائی ہوئی ہے شبِ فراق

جائے امان دیدہ وراں ہے شب فراق
نکار زر نگار کی ماں ہے شب فراق

بزم اداے لالہ رخاں ہے شب فراق
یہ رہ گزار کاہکشاں ہے شب فراق

یہ ابتداے عشق ہے، وہ انتہاے عشق
شعلہ ہے روز وصل، دھواں ہے شب فراق

کس کے لئے یہ کیا ہے مجھے اس سے کیا غرض
میرے لئے تو دشمن جاں ہے شب فراق

تنہا تمھاری یاد نے رہنے نہیں دیا
میری کسی غزل میں کہاں ہے شب فراق

یہ بات آپ ہجر کے ماروں سے پوچھیے
کتنی حسین ، کتنی جواں ہے شب فراق

قیصرؔ میں اپنے آپ سے کرتا ہوں گفتگو
بے چارگیِ دل کی زباں ہے شب فراق

چمن سے جینے نہ دے گا مجھ کو احساس خودی
رہنے دیجئے آپ اپنی مہر بانی کا لباس

کیوں پسِ دیوار ہیں سرگوشیوں کے سلسلے
کیوں غزل گانے لگا ہے نورانی کا لباس

دیکھتا تھا ہم کو قیصرؔ آئینہ بھی پیار سے
تھا ہمارے جسم پر جب تک جوانی کا لباس

☆

منسلک ہے جلوۂ جاناں سے دیوانے کا حال
شمع کو معلوم ہو کیسے نہ پروانے کا حال

شہر کی گلیوں تلک محدود ہے اپنا جنوں
ہم بھلا کیسے بتائیں گے ویرانے کا حال

اجنبیت ہی مقدر ہے تو پھر کیا پوچھنا
کیا بتاؤں آپ کو گھر لوٹ کر آنے کا حال

اب جنون شوق باقی ہے، نہ ذوق بے خودی
اپنی ویرانی پہ گریاں ہے صنم خانے کا حال

بستیاں ناواقف دیوانگی عشق ہیں
پوچھیے صحرا سے جا کر اپنے دیوانے کا حال

میں غلط ہوں تو چچا غالب سے جا کر پوچھ لو
جانتا ہے یا نہیں یہ شیخ مے خانے کا حال

بادہ خانے میں بھی قیصرؔ انقلاب آنے کو ہے
پوچھتی ہے تشنگی ساقی سے پیمانے کا حال

صحرا صحرا جلتا پنگھٹ　　میرا جیون پیاسا پنگھٹ

باتیں ندی کنارے والی　　ہنستی گگری، بہتا پنگھٹ

ہونٹوں پہ مسکان کے جگنو　　آنکھوں میں سپنوں کا پنگھٹ

گاتے کنگن، ناچتی پایل　　جاگ اٹھا ہے سویا پنگھٹ

رسوائی کی بات چلی ہے　　چپ چپ ہے بے چارا پنگھٹ

ریشم جیسی نرم جوانی　　چکنی مٹی جیسا پنگھٹ

اپنے گاؤں کا اپنا دریا　　اپنا پانی اپنا پنگھٹ

کویتا کا آدھار ہے میری　　متھرا کے اس گاؤں کا پنگھٹ

کوئی شاید آنے کو ہے　　دیکھ رہا ہے رستا پنگھٹ

وہاں بھی رہتے ہیں متوالے یہاں بھی ہے اک پانی پنگھٹ

نندلال کا رستہ دیکھیں سکھیاں، گگری، رادھا پنگھٹ

قیصر صاحب میری مٹی
درپن روپ، نوادا، پنگھٹ

میری نگاہِ شوق میں ہیں بے حساب خواب!
میں بھی ہوں خواب، مرا فن بھی خواب خواب!

آنکھیں نئی نئی ہیں، نئے لاجواب خواب!
اظہارِ تشنگی ہے جہانِ سراب خواب!

تسکین کے حساب سے جانِ شباب خواب!
تعبیر کے حوالے سے ناکامیاب خواب!

میرے ضمیرِ خاک کو قائل نہ کر سکے
بندہ نواز خواب، یہ عالی جناب خواب!

تصویرِ زندگی بھی عجیب و غریب ہے
[illegible]

تیرا خدا بچائے، کوئی حادثہ نہ ہو
میری طرف ہے چہرے نگاہ عذاب خواب!

☆

راس نہیں آیا شہروں کا بھوکا ، ننگا شور
لوٹ کے میری کوتا قیصرؔ چلی گاؤں کی اور

تاجر کے دربار میں جا کر یوں ناچے فنکار
چڑیا گھر میں ناچ رہا ہو جیسے کوئی مور

کب بولے گی یہ خاموشی ، کب برسیں گے پھول
کب جائے گی رات یہ کالی ، کب آئے گی بھور

زروسیم کے ریشم دھاگے ، جوگی کا اپمان
میرے دل کو چاہیے پیار محبت والی ڈور

دل بے چارہ پیار کا مارا کیسے نہ ہو مجبور
سپنوں پر تو آنکھوں کا بھی چلے نہ کوئی زور

لال چنریا اوڑھ کے ناچے آج نند کا گاؤں
پھر گوکل میں لوٹ آیا ہے رادھا کا چت چور

وہ ہیں روپ کی سندر بگیا میں ہوں اکا رنگ
ان کا اور میرا رشتہ ہے جیسے چاند چکور

کیا کرلوں گا میں اس کا اور کیا کرلیں گے آپ
اکی مست جوانی آخر ہوتی ہے منہ زور

ساگر میرے پیار کا قصہ ساگر اگم اپار
کوئی اور نہیں ہے اس کا کوئی نہیں ہے چھور

☆

لمحہ لمحہ پگھل رہا ہے چراغ
ہم سمجھتے ہیں جل رہا ہے چراغ

تیرگی کا حصار ٹوٹے گا
میرے اندر مچل رہا ہے چراغ

پھر بہکنے لگے ہیں پروانے
پھر کوئی چال چل رہا ہے چراغ

سر پہ سایہ ہے ماں کے آنچل کا
میری آنکھوں میں جل رہا ہے چراغ

شہر میں تو پناہ مل نہ سکی
گاؤں میں پھول پھل رہا ہے چراغ

زندگی کا امین ہوتے ہوئے
زیرِ دستِ اجل رہا ہے چراغ

صبح کی روشنی سے ملنے کو
اپنی صورت بدل رہا ہے چراغ

[illegible]
ہم جلیس غزل رہا ہے چراغ

☆

ٹمٹماتا ہے زندگی کا چراغ
بجھنے والا ہے زندگی کا چراغ

روشنی اس میں میری اپنی ہے
میرا اپنا ہے زندگی کا چراغ

جاگتے ساری عمر گزری ہے
تھک کے سویا ہے زندگی کا چراغ

موت کی بد نصیب راتوں پر
مسکراتا ہے زندگی کا چراغ

آئینے کو فریب دیتا ہے
کتنا جھوٹا ہے زندگی کا چراغ

اے اندھیرو ، تمھیں بتاؤ مجھے
کیسا ہوتا ہے زندگی کا چراغ؟

جلوہ جلوہ ہے روشنی قیصر
چہرہ چہرہ ہے زندگی کا چراغ

٭

آدمی ایسا اک آئینہ ہے
جس میں آئینہ گر بولتا ہے

من کے مندر میں جو بس گیا ہے
کوئی گم نام سا دیوتا ہے

دل پہ نشہ سا چھایا ہوا ہے
کیسی نظروں سے وہ دیکھتا ہے

میں جسے بھولنے پر بضد ہوں
پھر وہی شخص یاد آرہا ہے

اس کی اونچی حویلی سے اکثر
میرا مٹی کا گھر جھانکتا ہے

میں لگاؤں صدائے اناالحق
کہ یہی راستہ رہ گیا ہے

☆

کوئی پوچھے یا نہ پوچھے دیدۂ نم کا مزاج
درد بڑھ کر پوچھتا ہے اشکِ پیہم کا مزاج

رخ ابھی کشتی کا موڑا ہی تھا ساحل کی طرف
بدلا بدلا سا نظر آتا ہے موسم کا مزاج

چاند تاروں کو بھی خاطر میں کبھی لاتی نہیں
آج کل عرشِ بریں پر ہے شبِ غم کا مزاج

کالی کالی بدلیوں نے بھی نگاہیں پھیر لیں
کون پوچھے گا بھلا گیسوئے برہم کا مزاج

کھل رہے ہیں ہر طرف گلشن میں نظاروں سے پھول
پوچھنے والا نہیں کوئی بھی شبنم کا مزاج

☆

آیا نہیں کہیں سے بھی کوئی پیامِ صبح
یونہی تیرہ شبی ہے بنامِ صبح

[illegible] رات [illegible]
صبحوں کو بھی نصیب نہیں ہے مقامِ صبح

دنیا کو تیرگی سے دلائے گی کیا نجات
ظلمات کا اسیر ہے خود ہی امامِ صبح

گردوں کے حال زار سے ہوتا ہے یہ گماں
ہے دستِ شب پرست میں شاید زمامِ صبح

اٹھے گا کب یہ رات کا ڈیرہ جہان سے
[illegible] ہوگا بد نصیب زمیں پر قیامِ صبح

نظریں الجھ گئیں ہیں سیاہی کے جال میں
اندھی چشم میں آئے کسی کے سلامِ صبح

خواب سحر نگاری تعبیر دیکھیے
خوابوں کے خونِ دل سے ہے لبریز جامِ صبح

اب دن کا وقت ہی کہاں باقی رہا جناب
صبحوں کے ساتھ ساتھ ہی آئی ہے شامِ صبح

قیصرؔ کیا ہے اہلِ ہوس نے اسے خراب
وہ شام کا نظام ہو یا ہو نظامِ صبح

مسکراتے ہوئے حسین چہرے

یہ فلک بوس آئینہ خانے
خواب کی خاک سے ابھرتے ہیں

وہ مسلسل خموش رہتے ہیں
ہم مسلسل سوال کرتے ہیں

شہر کلکتہ اور عہدِ شباب
درد اٹھتا ہے، آہ بھرتے ہیں

غم سے فن کو بھی حسن ملتا ہے
اور فنکار بھی نکھرتے ہیں

اگتے ہیں آفتاب کی مانند
روشنی کی طرح بکھرتے ہیں

آسمانوں پہ ہوتے ہیں قیصرؔ
اپنے کھیتوں سے جب گزرتے ہیں

بارش سے پانی میں بھیگا بچپن
کاغذ والی ناؤ چلاتا بچپن

سیدھا سادہ نیم برہنہ بچپن
ندی کنارے ریت اڑاتا بچپن

بھی بھی آنکھوں کی پہرہ داری
آم کی شاخ پہ چھپ کے بیٹھا بچپن

مکا کے کھیتوں میں آنکھ مچولی
پیپل کے سائے میں ہنستا بچپن

نعتوں کی محفل میں نعت سنتا
بھجن منڈلی میں بھی گاتا بچپن

گھر کی روایت توڑنے پر آمادہ
میلے میں نوٹنکی دیکھتا بچپن

سچ پوچھو تو گیتوں کا رسیا ہے
آوارہ بچہ ، آوارہ بچپن

میرے گاؤں کی ٹوٹی پھوٹی قسمت
میرے گاؤں کا روکھا پھیکا بچپن

راون کے بچپن کا پیارا ساتھی
سیتا کا کردار نبھاتا بچپن

ٹوٹ گئیں سب سپنوں کی مالائیں
اک دن مجھ کو دھوکہ دے گیا بچپن

ریشم جیسے سپنے دیکھ رہا ہے
ٹوٹی پھوٹی کھاٹ پہ سویا بچپن

سب سے اونچے پیڑ پہ چڑھ کے قیصر
پستی کو آنکھیں دکھلاتا بچپن

جانے کیسا شہر ہے یہ
قدم قدم حیرانی ہے

جینے کی دشواری ہے
مرنے کی آسانی ہے

تشنہ لبی کے تیور سے
پانی ، پانی پانی ہے

ندی کا بیٹا ہوں ، لیکن
قسمت ریگستانی ہے

خواب کا یہ زخمی چہرہ
دل کی کارستانی ہے

مانگ رہا ہوں حق اپنا
پھر کیا آنا کانی ہے

پھولتا پھلتا موسم ہے
یا منہ زور جوانی ہے

وہ تو ہے آزاد ، مگر
دل اس کا زندانی ہے

دروازے پر لاشیں ہیں
آنگن میں ویرانی ہے

پردیسی کا گاؤں ہے یہ
اس کی عجب کہانی ہے

دل بھی درپن درپن ہے
چہرہ بھی نورانی ہے

دانائی ، دانائی ہے!
نادانی نادانی ہے

میری سخنوری قیصرؔ!
غالبؔ کی دربانی ہے!

☆

کیوں ہمیں لوگ برا کہتے ہیں!
ہم محبت کو خدا کہتے ہیں!

بل ہے کیوں آپ کی پیشانی پر؟
آپ کی ہم تو مانتے ہیں!

[illegible] دیتا ہے وہ پھولوں جیسے
ہم اسے جان وفا کہتے ہیں

یہ ادا خاص ادا ہے اپنی
جو بھی کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

پیار کا ذکر چھڑا ہے قیصرؔ!
آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

☆

بے نور ہوئی جب دلِ ناشاد کی قندیل
ماضی نے جلائی ہے تری یاد کی قندیل

جلتی ہے جہاں مانی و بہزاد کی قندیل
شرمندہ وہاں ہوتی ہے شداد کی قندیل

تہذیب کا یہ نور وراثت میں ملا ہے
روشن ہے مری آنکھوں میں اجداد کی قندیل

اس گھر میں نہیں چلتا کبھی زور خودی کا
جس گھر میں جلا کرتی ہے امداد کی قندیل

معصوم تمناؤں کو صبحوں کی ادا دو
بے نور نہ رہ جائے یہ اولاد کی قندیل

کچھ اتنی بلا خیز ہے نفرت کی سیاہی
جلنے ہی نہ پائی کہیں فریاد کی قندیل

ہوتی رہے گلشن میں مرے رنگ کی بارش
روشن رہے یہ سوسن و شمشاد کی قندیل

☆

شوخ نظروں سے دیکھتا ہے شوخ
خواب میرا بھی ہوگیا ہے شوخ

شوخ نظروں کی ہر ادا ہے شوخ
زخم دل کو مرے ملا ہے شوخ

تتلیوں کو حسین پھولوں نے
کچھ زیادہ ہی کر دیا ہے شوخ

صرف جلوے ہی ان کے شوخ نہیں
میرے دل کا بھی آئینہ ہے شوخ

آج اک شوخ یاد آیا ہے
آج یہ غم بھی ہوگیا ہے شوخ

یوں چراتا ہے نیند آنکھوں سے
میرے خوابوں میں جاگتا ہے شوخ

ان دنوں کچھ اداس اداس ہوں میں
ان دنوں کچھ خفا خفا ہے شوخ

شوق کیسے نہ ہو غزل قیصر
شوقِ اندازِ میر تھے سخن

☆

ادائے دلربا بدلی ہوئی ہے
زمانے کی ہوا بدلی ہوئی ہے

ہوا مردہ ضمیر پارسائی
نگاہِ پارسا بدلی ہوئی ہے

یہ کیسا انقلاب آیا ہے مجھ میں
مرے دل کی صدا بدلی ہوئی ہے

نظر آتی نہیں مجھ کو کہیں بھی
گزرگاہِ انا بدلی ہوئی ہے

ہے جاری سنتِ شبیر لیکن
زمینِ کربلا بدلی ہوئی ہے

عجب ہنگامہ ہے خاموشیوں کا
مرے گھر کی فضا بدلی ہوئی ہے

تری زلفوں نے کی ہے کوئی سازش
کہ ساون کی گھٹا بدلی ہوئی ہے

☆

لوگ کہتے ہیں کہ بکتا ہے خرافاتی ملنگ
گفتگو کرتا ہے فطرت سے کرشماتی ملنگ

جان اپنی پیش کرتا ہے خدا کے نام پر
راہِ حق میں کس قدر ہوتا ہے جذباتی ملنگ

کوندتی ہیں اس کی آنکھوں میں بلا کی بجلیاں
چاک کرنا چاہتا ہے رات کی چھاتی ملنگ

ساحلِ دریا ہے، اور پیپل کی ٹھنڈی چھاؤں ہے
بے نیازِ دین و دنیا ہے طلسماتی ملنگ

پتھروں سے توڑتا رہتا ہے میرا آئینہ
آجکل ناراض ہے مجھ سے مرا ذاتی ملنگ

اب کہاں بچوں کو ملتی ہے جلیبی کی مٹھاس
اب کہاں دکھلائی دیتے ہیں کراماتی ملنگ

پچھلے دن تک جن کی آوازیں سنائی دیتی ہیں
حضرت قیصر بھی ہیں ایسے ہی برساتی ملنگ

☆

دی گواہی میں نے جب اپنے خلاف!
ہوگئے سب میرے گھر والے خلاف!

مات کھاجائے نہ شاطر کا دماغ
فیل برگشتہ ہے، اور پیادے خلاف!

کیا کرے آخر یہ بوڑھا بادشاہ
ہوگئے ہیں اس کے شہزادے خلاف!

آگیا ہے گھر میں کیسا انقلاب
ہورہا ہے میری مرضی کے خلاف!

مصلحت کوشی ہے جن کی زندگی
متحد ہیں آج وہ میرے خلاف!

جنگ سے پہلے ذرا یہ بھی تو دیکھ
کتنے تیرے ساتھ ہیں کتنے خلاف!

رہزنوں کا ذکر کیا، خود راستے
سازشیں کرتے ہیں رہرو کے خلاف!

فکرِ صبح و شام ہی اک بوجھ ہے
کیا کریں گے ہو کے بیچارے خلاف!

آدمی ایسے میں قیصرؔ کیا کرے
ہے خدا ناراض ، اور بندے خلاف!

☆

موسم زرنگار کا وارث
یعنی میں ہوں بہار کا وارث

خواب کی دلربائیوں کا امیں
فکر کے اعتبار کا وارث

پیار ہی اوڑھنا بچھونا ہے
مجھ کو کہتے ہیں پیار کا وارث

راز کی بات بس یہی ہے ، میاں
راز ہے رازدار کا وارث

آپ کا غم ، بنامِ حسنِ غزل
اس دلِ بے قرار کا وارث

اک نئی کائنات کا خالق
عہد ناسازگار کا وارث

پھر رہا ہے جو آج کاسہ بدست
ہے کسی تاجدار کا وارث

پھول کا روپ دھار بیٹھا ہے
جز آب دار کا وارث

میرے دستِ جنوں کو ہونا ہے
دامن تار تار کا وارث

اپنی مٹی مری وراثت ہے
میں ہوں اپنے مزار کا وارث

یہ غزل رنگ دلربا نغمہ
قیصرِ دلفگار کا وارث

☆

میرے بعد اور کوئی مجھ سا نہ آیا ہوگا!
اس کے دروازے پہ اب تک مرا سایہ ہوگا!

جب بھی آئینہ نے منہ اس کا چڑھایا ہوگا
کیسے خوابوں کی حقیقت کو چھپایا ہوگا

اس نے بھرپور نظر جس پہ بھی ڈالی ہوگی
چاند نے اس کو کلیجے سے لگایا ہوگا!

کس طرح قتل کیا ہوگا مری یادوں کو
کتنی مشکل سے مجھے اس نے بھلایا ہوگا

جب چلی ہوگی کہیں بات کسی شاعر کی
اس کے ہونٹوں پہ مرا نام تو آیا ہوگا!

جو مرے بارے میں سوچے گا ہر اک پہلو سے
وہ مرا اپنا نہیں ہوگا ، پرایا ہوگا!

اس کی پلکوں کا تبسم یہ پتہ دیتا ہے
اس نے آنکھوں میں کوئی خواب سجایا ہوگا!

سوچتا ہوں کہ وہ انسان تمام ہستی
کیسے انگاروں کی بارش میں نہایا ہوگا؟

زندگی اس کی سمٹتا ہوا صحرا ہوگی
جو تری آنکھوں پہ ایمان نہ لایا ہوگا!

تیری آنکھوں میں سمایا ہے جو رنگوں کی طرح
جو نہ ہو میرے خیالات کا سایہ ہوگا!

تم نے قیصر مرے احساس کے ویرانے میں
میرے خوابوں کو تڑپتا ہوا پایا ہوگا!

☆

اذیتوں سے چھڑا گیا ہے
مجھے وہ پاگل بنا گیا ہے

وہ میرے گھر سے چلا گیا ہے
چراغ لیکن بجھا گیا ہے

وہیں وہاں ہے مجھے بھی جانا
جہاں جہاں راستہ گیا ہے

ہوا کی انگلی پکڑ کے چلنا
وہ بادلوں کو سکھا گیا ہے

وہ اپنے رخ سے نقاب الٹ کر
دوئی کے پردے اٹھا گیا ہے

تمام عالم کے فلسفوں کو
وہ ایک دیوانہ کھا گیا ہے

مرا ہی درپن مجھے دکھا کر
مرے خیالوں پہ چھا گیا ہے

وہ کیسے دیکھے کسی کی صورت
پتہ خود اپنا جو پا گیا ہے

ابھی ابھی اجنبی ملا تھا
ابھی ابھی آشنا گیا ہے

☆

درد کو دل سے لگانے کا یہی موسم ہے
زخم کے پھول کھلانے کا یہی موسم ہے

آمری جانِ غزل پاس مرے بیٹھ ذرا
حالِ دل تجھ کو سنانے کا یہی موسم ہے

تجھ کو آنکھوں میں بسانے کا زمانہ ہے یہی
تجھ کو سینے سے لگانے کا یہی موسم ہے

بننے والی ہے تمناؤں کی بگڑی قسمت
اپنے محبوب کو پانے کا یہی موسم ہے

آبھی جاؤ کہ تمھیں ڈھونڈ رہی ہیں نظریں
آئینہ تم کو دکھانے کا یہی موسم ہے

آج تک سپنے جو دیکھا کئے قیصرؔ صاحب
اس کو ساکار بنانے کی یہی موسم ہے

☆

کسی کو چاند کا تحفہ نہ دینا
[illegible]

الٹ دے گا نقاب زندگانی
[illegible] کو نیند نہ دینا

مجھے اب خوف غرقابی نہیں ہے
[illegible]

یہ اک شاعر کی پیشانی ہے بابا
اسے تم زحمت سجدہ نہ دینا

کسی دل سے نہ گرنا اشک صورت
کسی کی آنکھ میں چہرہ نہ دینا

علاج تشنہ کامی چاہتا ہوں
سمندر سے مجھے قطرہ نہ دینا

اب ایسا ہی زمانہ آ گیا ہے
نکل جانا مگر رستہ نہ دینا

یہ غم قیصر متاعِ زندگی ہے
کسی کو اپنا سرمایہ نہ دینا

☆

بہر سو دلکشی بکھری پڑی ہے
مگر دل کی گلی سونی پڑی ہے

مسائل کو بھی سلجھانا پڑے ہے
تمھاری بات بھی رکھنی پڑی ہے

جسے سننا ہے توہین سماعت
کچھ ایسی بات بھی سننی پڑی ہے

غبار آلود ہے یادوں کا درپن
تری تصویر بھی دھندلی پڑی ہے

یہ اک آئینہ جو ٹوٹا پڑا ہے
یہ میری آرزو ٹوٹی پڑی ہے

کہاں کوئی کسی کو پوچھتا ہے
تُو دیکھو اسے اپنی پڑی ہے

کوئی بے رحم چہرہ ہنس رہا ہے
کوئی میت ادھر ننگی پڑی ہے

سخن دانوں کی یہ محفل ہے، اس میں
ذرا سی چوک بھی مہنگی پڑی ہے

جہاں سے اٹھ کے میں آیا ہوں قیصر
وہ مسند آج تک خالی پڑی ہے

قیصرؔ میری صورت میں
اپنے کو دہراتا جھوٹ!

☆

بے مائیگی کا درد بھی بے کسی کا درد
مجموعہ درد کا ہے مری زندگی کا درد

پھر آدمی کے ہونے کا مقصد ہی کیا ہوا
سمجھے نہ آدمی ہی اگر آدمی کا درد

اک درد سرخرو ہے تو اک درد رو سیاہ
اک تیرگی کا درد ہے اک روشنی کا درد

ہم ہیں شب فراق کی لذت سے آشنا
ہم جانتے ہیں چاند کا اور چاندنی کا درد

سینے میں اپنے رکھتا ہے شاعر سنبھال کے
چاہے کسی کا زخم ہو چاہے کسی کا درد

چاہے کہیں بھی جاؤں کہیں بھی رہوں مگر
رہنے نہ دے گا چین سے یہ آگہی کا درد

قیصرؔ اسی کے دم سے ہے یہ رونقِ حیات
آئینۂ جمال ہے یہ شاعری کا درد

دائمی عکس کی دلیل نکال!
آئینہ ہے، تو کچھ سبیل نکال!

شاہ خطرے میں ہے، مرے شاطر!
چھوڑ پیادوں کو اپنا فیل نکال!

جو عدالت کے رخ کو موڑ سکے
ڈھونڈ کر ایسا اک وکیل نکال!

ذکر کرتا ہے کیوں سمندر کا
اپنے حصے کی کوئی جھیل نکال!

یہ سفر کو طویل کرتے ہیں
راستوں سے یہ سنگ میل نکال!

جو بھی کرنا ہے کر گزر، قیصرؔ
فکر سے اپنی قال و قیل نکال!

☆

چشمِ احساس بے نظر، بے نور!
شام بے فیض ہے، سحر بے نور!

یہ اجالوں کا قافلہ ہے مگر
خواب بے سمت ہے، سفر بے نور!

بندگی ہو گئی ریا کاری
سجدے بے روح، سنگِ در بے نور!

چاک کیسے ہو سینۂ ظلمات؟
ہیں پرندوں کے بال و پر بے نور؟

کیسے میں اپنے آپ کو دیکھوں
تم کہ آئینہ ہو مگر بے نور

چاند غزلوں کو کھا گئی دیمک
دیدہ بے نور، دیدہ ور بے نور!

کچھ خبر ہے تمھیں خدا والو؟
کیوں ہوا ہے خدا کا گھر بے نور؟

منزلیں گم ہیں عیش گاہوں میں
راہ تاریک، راہبر بے نور!

☆

کوئی منظر نہیں اس منظرِ آباد کے بعد
مجھ کو کچھ بھی نہ رہا یاد تری یاد کے بعد

فن نہیں مرتا ہے، فنکار کو موت آتی ہے
حسن بے قدر نہ ہوا مانی و بہزاد کے بعد

اپنی روداد سناؤں تو سناؤں کس کو
کوئی اپنا نہیں مرگِ دلِ ناشاد کے بعد

تجربہ خود کی نگاہوں سے بھی گرنے کا ہوا
اپنی توقیر بھی کم ہوگئی امداد کے بعد

اک ذرا دیکھیے تو فریادی کی صورت کوئی
کتنا شرمندہ نظر آتا ہے فریاد کے بعد

مجھ سے اچھی کوئی ایجاد نہیں موجد کی
جتنی ایجادیں ہیں سب ہیں مری ایجاد کے بعد

منزلِ عشق کا اب کوئی مسافر نہ رہا
راہ ویران ہوئی قیصرؔ برباد کے بعد

☆

بولے قیصر ایسا سچ
بنے جھوٹ کا چہرہ سچ

کوئی نہیں ہے اپنے سو
کہاں مجھے لے آیا سچ

سچ تو سچ ہی ہوتا ہے
میٹھا ہو یا کڑوا سچ

میری سچائی جھوٹی
ان کا جھوٹ سراپا سچ

بازاروں میں بکتا ہے
نیلا، پیلا، کالا سچ

پتھر کا ہمسایہ ہے
شیشے کے اندر کا سچ

باقی دنیا بھاڑ میں جائے
اپنا گھر دروازہ سچ

رہنے دو بس کرو میاں!
کیسی نیکی، کیسا سچ؟

☆

کوئی کیسے سمجھے کسی کا مزاج
ہنسی پوچھتی ہے خوشی کا مزاج

کہاں سو گیا روشنی کا ضمیر
فلک پر ہے تیرہ شبی کا مزاج

ذرا ہنس کے تم نے جو کی گفتگو
بدلنے لگا زندگی کا مزاج

یہاں کوہکن کی ضرورت نہیں
کہ نازک ہے شیشہ گری کا مزاج

یہ برکھا، یہ بادل، یہ چنچل ہوا
نہ ہو شوخ کیسے ندی کا مزاج

بتاؤ اگر عاشقانہ نہ ہو
تو کیسا ہو پھر عاشقی کا مزاج؟

کہاں رفعت سجدۂ قیصری
کہاں آپ کی بندگی کا مزاج

☆

جو بھی بول، ایمان کی بول، جھوٹ نہ بول
سچ موتی ہے، موتی رول، جھوٹ نہ بول

جھوٹ کبھی سچ نہیں بنا، یہی ہوا
کھلی ہمیشہ جھوٹ کی پول، جھوٹ نہ بول

سچا من ہے سچا دھن، سچا بن
سچا ہے، سچا انمول، جھوٹ نہ بول

جھوٹ کی رنگت کالی ہے، گالی ہے
جھوٹ ہے جیسے پھوٹا ڈھول، جھوٹ نہ بول

سچائی ایمان کی جان، کہنا مان
سچائی کی آنکھیں کھول، جھوٹ نہ بول

جھوٹ ہے کاغذ کی نیا، سن بھیا
جھوٹ کرے گا ڈانواڈول، جھوٹ نہ بول

سچ کا رستہ سچ ہے، چھپا نہ
سچ کو سچ کی بات سے تول، جھوٹ نہ بول

اپنے دوست [illegible]

بیٹے اپنا آپ [illegible]، جھوٹ نہ بول

قیصر کی یہ باتیں سن، موتی چن

جھوٹ پہ تو بھی پڑھ لاحول، جھوٹ نہ بول

غزل

شرمندہ کیوں ہے صبح پر انوار کا لباس؟
سورج نے خود پہنا ہے شب تار کا لباس

آتا نہیں کہیں بھی نظر پیار کا لباس
پہنا ہے چاہتوں نے سروکار کا لباس

یہ شاعری ہے اس کو سمجھ لیجئے حضور
حسنِ غزل ہے فکرِ گہر بار کا لباس

ہے زلزلوں کی زد پہ نگاہوں کا قافلہ
جلووں کی بے لباسی ہے بازار کا لباس

عہد برہنگی محبت میں بھی ہنوز
دل زیب تن کئے ہے غم یار کا لباس

حیرت سے زاہدان حرم دیکھنے لگے
ہے کتنا نوربار گنہگار کا لباس

جمالِ حسن کی جادوگری دکھاتا ہے
وہ میرے سامنے آئینہ بن کے آتا ہے

جو سر کٹاتا ہے اور پھر بھی جیت جاتا ہے
نئی اداؤں سے لڑنا ہمیں سکھاتا ہے

جھوٹی جو اپنی بنام غزل چڑھاتا ہے
مری سمجھ سے وہ نقاد گھاس کھاتا ہے

سرِ فلک یہ تبسم طراز عید کا چاند
مرے ضمیر پہ کوڑے لگائے جاتا ہے

کسی کی آنکھوں میں محرومیوں کے آنسو ہیں
کسی کے لب پہ ستارہ سا جگمگاتا ہے

کبھی جو رہتا تھا بے زار میری غزلوں سے
سنا ہے اب مرے اشعار گنگناتا ہے

یہی تو ہے ترا سرمایۂ حیات اے دوست
یہ داغ داغِ محبت ہے کیوں چھپاتا ہے

اگر زمیں ہی منزل ہے میری اے قیصر
تو آسمان مجھے کس لئے بلاتا ہے

☆

صاحبِ لوح و قلم، مظہرِ یزداں ہونا
یہ خاک کی معراج ہے انساں ہونا

میرے احساس کی الجھن کو بڑھا دیتا ہے
بے سبب آپ کی زلفوں کا پریشاں ہونا

وہ نظر تجھ کو ملی ہی نہیں اے زاہدِ خشک
تو نہیں سمجھے گا ذروں کا درخشاں ہونا

یار اک دائرۂ خاص میں محصور ہے تو
تو نے دیکھا ہی نہیں قطروں کا طوفاں ہونا

میں کہ شرمندۂ قاتل نہیں ہونے والا
"عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا"

قتل کے بعد پشیمانی تو ہوتی ہے میاں
عام سی بات ہے قاتل کا پشیماں ہونا

مبتلا کر گیا احساس کو حیرانی میں
یوں تجھے دیکھ کے آئینے کا حیراں ہونا

یہ بھی اک طرزِ عبادت ہے جنابِ ناصح
ہمہ دم محوِ خیالِ رخِ جاناں ہونا

کل جو ہونا ہے کہیں اس کا اشارہ تو نہیں
یوں سرِ بزم ترا شعلۂ عریاں ہونا

جنگ جاری ہے ہواؤں سے یہاں بھی اپنی
راس آیا نہ چراغِ تہہِ داماں ہونا

بڑے آرام سے طے ہوگیا ہستی کا سفر
مرے کام آیا مرا بے سر و ساماں ہونا

ہو مبارک تجھے اے قیصرؔ آوارہ خیال
محفلِ حضرتِ غالب میں غزل خواں ہونا

شیخ و برہمن جب سے آئے میخانوں کے بیچ
عجب طرح کی بے چینی ہے پیمانوں کے بیچ

یوں ہی نہیں جذبات میں برپا ہوتا ہے طوفان
کچھ تو حقیقت ہوتی ہوگی افسانوں کے بیچ

شاید دل نے دیکھ لیا ہے کوئی سنہرا خواب
بے تابی سی بے تابی ہے ارمانوں کے بیچ

دیوانے بھی کرنے لگے ہیں ہوش کی بات
عقل و خرد پر بحث چھڑی ہے دیوانوں کے بیچ

قیصرؔ میری ہستی کیا ہے وحشت کی تصویر
شہروں میں بھی رہتا ہوں میں ویرانوں کے بیچ

☆

پچھلے موسم کی ہر ادا منسوخ
عکسِ معدوم ، آئینہ منسوخ

جو تھا منصوبہ ہو گیا منسوخ
یعنی سارا کیا دھرا منسوخ

دھڑکنوں کے وصال کی تاریخ
میں نے خود کی ہے بارہا منسوخ

تھم گئیں بیڑیوں کی جھنکاریں
حسنِ دار و رسن ہوا منسوخ

خود ہی مقتول خود ہی قاتل ہوں
خود لکھا اور خود کیا منسوخ

جو بھی مقتل میں ہونے والا تھا
آج اسے کر دیا گیا منسوخ

اک عدالت نے کر دیا آخر
اک عدالت کا فیصلہ منسوخ

اجنبیت نے دن یہ دکھلائے
ہوگیا لفظ آشنا منسوخ

حسن کی بارگاہ سے قیصرؔ
ہوئی میری التجا منسوخ

☆

چھوڑو اب تکرار کی بات
آؤ کر لیں پیار کی بات

پھولوں جیسے ہو لیکن
کرتے ہو تلوار کی بات

سرداری کا دور گیا
کون سنے سردار کی بات

شیخ سناتا ہے اکثر
نور کا قصہ نار کی بات

اندر اندر زہر تمام
باہر باہر پیار کی بات

میں بے چارہ کیا جانوں
یار ہی جانے یار کی بات

آنکھوں میں اقرار کا رنگ
ہونٹوں پہ انکار کی بات

تم بھی کرو اور ہم بھی کریں
پھولوں کے کردار کی بات

خوشبو کی برسات ہوئی
چھڑی جو زلف یار کی بات

ہم پردیسی ہیں قیصرؔ
کیا جانیں گھر بار کی بات

☆

تیرا پیکر شبِ مہتاب کی برنائی ہے
تیرا جلوہ رخِ کونین کی رعنائی ہے

فکر نے طاقتِ پرواز کہاں پائی ہے
یہ تو وجدان کی ناکام سی انگڑائی ہے

تیرے ہونٹوں کے تبسم کا خیال آتے ہی
ایک بجلی سی مرے ذہن میں لہرائی ہے

سب جسے کہتے ہیں دنیائے تصور اے دوست
سچ تو یہ ہے کہ وہ روٹھی ہوئی تنہائی ہے

چشمِ پرنم نے تراشے ہیں کچھ ایسے تارے
رشکِ صد شامِ چراغاں شبِ تنہائی ہے

آجا آجا کہ ترے نقشِ کفِ پا کے نثار
کب سے بے چین مرا ذوقِ جبیں سائی ہے

اب نہ دیکھوں گا کبھی ساغر و مینا کی طرف
میں نے ن مست نگاہوں کی قسم کھائی ہے

جس کی ہر ایک ادا حاصل دستورِ جنوں
دل اسی حسن فسوں ساز کا شیدائی ہے

ذرے ذرے سے خزاں جھانک رہی ہے قیصرؔ
اور تم کہتے ہو گلشن میں بہار آئی ہے

☆

دھوپ کے قہر سے بچنے کو یہ پہلو رکھ لے
اپنی جھولی میں ذرا سایۂ گیسو رکھ لے

تجھ کو راہوں میں چراغوں کی ضرورت ہوگی
اپنی پلکوں پہ سجا کر مرے آنسو رکھ لے

بات تیری جو بنی ہے وہ بگڑ سکتی ہے
اپنے بہکے ہوئے جذبات پہ قابو رکھ لے

جانِ من میرے سوا کون سنبھالے گا انھیں
جتنے بھی غم ہیں مجھے دے دے خوشی تو رکھ لے

سچ تو یہ ہے کہ تجھے پھول کہے گی دنیا
اپنی باتوں میں اگر پیار کی خوشبو رکھ لے

کل کا سورج ترے قدموں پہ نچھاور ہوگا
اپنی مٹھی میں چھپا کر کوئی جگنو رکھ لے

☆

ختم اشکوں کے سلسلے ہوتے
تم اگر ٹوٹ کر ملے ہوتے

تم سے ملتے تو اور کیا ہوتا
بھیگے بھیگے سے کچھ گلے ہوتے

جلتے آنکھوں میں چاہتوں کے چراغ
دل سے دل بھی اگر ملے ہوتے

خون بے رنگ ہوگیا ورنہ
ریگزاروں میں گل کھلے ہوتے

میری تنہائی ہوتی میں ہوتا
اور یادوں کے قافلے ہوتے

دوستو موسم بہار ہے یہ
اس میں دامن نہیں سلے ہوتے

تم کو آئینہ کون دکھلاتا
ہونٹ میرے اگر سلے ہوتے

کاش روئے زمیں پہ اے قیصرؔ
صرف چاہت کے سلسلے ہوتے

☆

شدتِ تشنہ لبی مار نہ ڈالے مجھ کو
اے مرے ابرِ کرم آ کے بچا لے مجھ کو

تیری نظروں کے سوا کوئی سہارا بھی نہیں
اب اگر تو ہی سنبھالے تو سنبھالے مجھ کو

ایک چھوٹی سی گزارش ہے ہوا سے میری
راہ کی دھول سمجھ کر ہی اڑا لے مجھ کو

یوں تجھے منزلِ تعبیر نہیں ملنے کی
خوابِ آئندہ ہوں پلکوں پہ سجا لے مجھ کو

منجمد ہو کے نہ رہ جائے کہیں میرا وجود
اپنے جلتے ہوئے ہونٹوں سے لگا لے مجھ کو

سایۂ گیسوئے شب رنگ مرے کام آیا
ورنہ کھا جاتے کبھی تک یہ اجالے مجھ کو

مدتوں بعد جو میں بزمِ سخن میں پہنچا
آئینہ رنگ ہوئے دیکھنے والے مجھ کو

الجھنیں اور بھی بڑھ جاتی ہیں تنہائی میں
تیری یاد آئے تو الجھن سے نکالے مجھ کو

[illegible] نہیں [illegible] ہوتی
اس سے بہتر ہے کہ دنیا سے اٹھا لے مجھ کو

دشت تنہائی میں کیوں چھوڑ کے جاتا ہے مجھے
میں اگر سویا ہوا ہوں تو جگا لے مجھ کو

زندگی اپنی مسلسل ہے سفر میں قیصر
بیٹھنے دیتے ہیں کب پاؤں کے چھالے مجھ کو

☆

جمالِ دل ربا ہے اور میں ہوں
کرم کی انتہا ہے اور میں ہوں

عنایت ہے، عطا ہے اور میں ہوں
صنم جلوہ نما ہے اور میں ہوں

ادھر ناز و ادا ہے اور وہ ہیں
ادھر شکوہ گلہ ہے اور میں ہوں

سناؤں کس کو اپنی آپ بیتی
مقدر کا لکھا ہے اور میں ہوں

سناتا ہوں اسے سنتا ہوں اس کی
دلِ غم آشنا ہے اور میں ہوں

خود اپنے آپ سے ملنا مبارک
یہ میرا آئینہ ہے اور میں ہوں

بھلا کیوں روؤں تنہائی کا رونا
مرے دل کی صدا ہے اور میں ہوں

تم اپنا چاند اپنے پاس رکھو
مرے گھر کا دیا ہے اور میں ہوں

خدا کے فضل سے اب میرے گھر میں
فقط نام خدا ہے اور میں ہوں

کسی کے در پہ کیوں جاؤں میں قیصرؔ
مرا حاجت روا ہے اور میں ہوں

☆

وہی بیباکیاں ہیں آج بھی وحشت کے تیور میں
خدا رکھے ابھی آباد ہے صحرا مرے سر میں

بھلا سچائی کب تک دور رہ سکتی تھی نظروں سے
اسے اک روز آنا ہی تھا پس منظر سے منظر میں

زمانہ جس میں اپنے کل کی صورت دیکھ سکتا ہے
کچھ ایسے آئینے مجھ کو نظر آتے ہیں پتھر میں

بہر صورت مرے اللہ کا یہ فضل ہے مجھ پر
بس اک میں ہی نہیں ہوں اور سب کچھ ہے مرے گھر میں

مجھے بزمِ سخن میں ایسا کچھ محسوس ہوتا ہے
غزل بھی پڑ گئی ہے آج کل روٹی کے چکر میں

بہاروں سے مزین ہو رہا ہے میرا ویرانہ
چلی آئی ہے شاید روحِ غالب کی مرے گھر میں

مری آواز کا رشتہ ہے سازِ دل کے تاروں سے
مری آواز کھو جائے گی کیسے شورِ محشر میں

کبھی چھوؤں پہ شبنم تک کی صورت بھاتی ہے
کبھی تبدیل ہو جاتے ہیں آئینے بھی پتھر میں

سرابوں کی حقیقت جانتا ہوں اس لیے قیصر
سمندر باندھ کر لایا ہوں اپنے دیدۂ تر میں

☆

یہ کیا انداز ہے میری وفا کا
بتا، ہوں آشنا ناآشنا کا

جوانی کو ذرا آنے تو دیجے
خدا ہوجائے گا بندہ خدا کا

سرِ بابِ اثر رحمت کھڑی ہے
یہ ہے اعجاز میری التجا کا

نگاہوں کو مبارک بے نقابی
یہ کارِ خیر ہے دستِ صبا کا

سمجھ میں آئی نغموں کی حقیقت
نظر آیا ہے جب چہرہ صدا کا

دعاؤں کے کئی چہرے ہیں لیکن
کوئی چہرہ نہیں ماں کی دعا کا

بری لگتی ہے آئینے کی صورت
یہ ہے ردِ عمل جھوٹی انا کا

جو مٹی ہے وہ مٹی میں ملے گی
یہی دستور ہے راہِ فنا کا

سرِ مقتل ہے جاری رقصِ بسمل
عجب عالم ہے قاتل کی ادا کا

☆

یہ کہہ دو حسب نگارِ رحمت سے پہلے
کہ ہے کربلا باغِ جنت سے پہلے

تصور میں کوئی بھی چہرہ نہیں تھا
ہوئے آشنا اپنی صورت سے پہلے

محبت کی سب کارفرمائیاں ہیں
کہیں کچھ نہیں تھا محبت سے پہلے

کئی بار کھائے نگاہوں نے دھوکے
کئی خواب دیکھے حقیقت سے پہلے

کہاں تک تمھاری ضرورت ہے مجھ کو
ذرا پوچھ لوں میں ضرورت سے پہلے

یہ اہل نظر ہی بتائیں گے تم کو
کہے کس نے شعر اس فصاحت سے پہلے

وہی نغمہ قیصرؔ غزل ہو گیا ہے
ملا تھا جو میری سماعت سے پہلے

☆

نظروں کو جھکائے ہوئے پھولوں سے لدی شاخ
دیکھی جو لچک تیری تو شرمندہ ہوئی شاخ

تم کہتے ہو گلشن تو کہو میں نہ کہوں گا
مجھ کو تو نظر آتی نہیں کوئی ہری شاخ

مایوس نہیں میں کرمِ ابرِ کرم سے
جب پیڑ سلامت ہے تو پھوٹے گی نئی شاخ

گلشن میں کہیں اور بھی گر سکتی تھی بجلی
قسمت کا جلا میں ہی تھا میری ہی جلی شاخ

یہ راز ہے کیا میری سمجھ میں نہیں آیا
کیا کہہ دیا انگڑائی نے کیوں ٹوٹ گئی شاخ

☆

[illegible] یہ تھی [illegible] میں بھی چپ تم بھی خاموش
کیسے آخر بات بنے گی میں بھی چپ تم بھی خاموش

کب تک آنکھوں آنکھوں میں افسانے سنائے جائیں گے
[illegible] میں بھی چپ تم بھی خاموش

میں بھی اپنی چپی توڑوں تم بھی لب کھولو ورنہ
[illegible] میں بھی چپ تم بھی خاموش

کب تک یوں ہی چھلنی ہوں گے سینے مری زمینوں کے
[illegible] میں بھی چپ تم بھی خاموش

آؤ اس کی مانگ میں اپنی چاہت کا سیندور بھریں
رات کنواری رہ جائے گی میں بھی چپ تم بھی خاموش

کل کے بارے میں بھی سوچو کل کی بھی کچھ بات کرو
ورنہ قسمت ٹال دے گی میں بھی چپ تم بھی خاموش

قیصرؔ میرا اور تمھارا یہی رویہ بیجا ہے
سچائی مرجائے گی میں بھی چپ تم بھی خاموش

☆

کچھ بھی ہو مگر ہجر کا شکوہ نہیں کرتے
ہم اہلِ جنوں عشق کو رسوا نہیں کرتے

[illegible] اپنی حقیقت [illegible]
اس روز سے ہم آئینہ دیکھا نہیں کرتے

جو نظروں کا مرکز ہو جسے خاص کہا جائے
ہم ایسا کوئی کھیل تماشا نہیں کرتے

[illegible] تو [illegible]
آئینے سے باہر کبھی دیکھا نہیں کرتے

اک طرفہ تماشا اسے کہیے تو بجا ہے
''ہم عشق تو کرتے ہیں تمنا نہیں کرتے''

ہمراز ہیں اپنے یہی دم ساز ہیں اپنے
آئینے سے ہم کوئی بھی پردہ نہیں کرتے

بے خوابی کا شکوہ بھی کیا جائے تو کس سے
ہم سے بھی اب راتوں کو رویا نہیں کرتے

احساس پہ کچھ ایسا چڑھا ہے یہ غزل رنگ
ہم آپ کے بارے میں بھی سوچا نہیں کرتے

تم شیر سے کہتے ہو کہ جنگل سے نکل جاؤ
جنگل سے تو خرگوش بھی نکلا نہیں کرتے

انداز الگ اپنی عبادت کا ہے قیصرؔ
ساجد ہیں مگر سجدہ بیجا نہیں کرتے

☆

دن جس [illegible] خاموش
آج خود ہی وہ ہوگیا خاموش

اس کی فطرت ہی میں ہے خاموشی
ہے ازل ہی سے آئینہ خاموش

جو سہارا تھا میری نظروں کا
ہو گیا آج وہ دیا خاموش

کس سے اپنا اتا پتا پوچھیں
راہبر چپ ہے راستا خاموش

جو تھی کہنی وہ بات بھی کہہ دی
[illegible] سب [illegible] رہا خاموش

غیر کی آگ تو جلا نہ سکی
اپنے شعلوں نے کردیا خاموش

زندگی صورتیں بدلتی رہی
آئینہ دیکھتا رہا خاموش

اپنی زلفیں یوں ہی کھلی رکھئے
ورنہ ہو جائے گی فضا خاموش

جانے کیا بات کہنے والا تھا
ان کی نظروں نے کر دیا خاموش

تیرے قیصر کو موت کیا آئی
ہوگیا نغمۂ وفا خاموش

☆

زندگانی کا حوصلہ مفتوح
جو تھا فاتح وہ ہو گیا مفتوح

کامرانی کا مدعا مفتوح
راہ مسدود، رہنما مفتوح

فاتحِ کائنات ہے لیکن
گھر میں آتے ہیں ہر ادا مفتوح

آسماں نے بھی پھیر لیں آنکھیں
اوڑھ کر خاک سو گیا مفتوح

دیکھ کر بھائی کو حریفوں میں
آئینہ آئینہ ہوا مفتوح

[illegible]
[illegible]

☆

بس یہ کہانی کا خلاصہ مرے بھائی
بھائی ہے مرے خون کا پیاسا مرے بھائی

ٹوٹی ہے قیامت مری امید پہ لیکن
دیتا نہیں کوئی بھی دلاسا مرے بھائی

رہنے دے برے وقت میں کام آئے گا تیرے
تھوڑا سا بچا ہے جو اثاثہ مرے بھائی

آزادی کہیں پاؤں کی زنجیر نہ بن جائے
پڑ جائے نہ الٹا ترا پانسہ مرے بھائی

آثار و قرائن سے یہی لگتا ہے مجھ کو
دے دیں گے مرے ہاتھ میں کاسہ مرے بھائی

کیوں کر دیا قاتل کی طرف میں نے اشارا
اس بات پہ ہنگامہ ہے خاصا مرے بھائی

کیوں رشتوں کو ڈستی ہے یہ نفرت کی سیاہی
اس پر بھی کبھی سوچ ذرا سا مرے بھائی

فنکار کی تقدیر بھی تقدیر ہے کیسی ؟
دریا کے کنارے بھی ہے پیاسا مرے بھائی

شاید کہ تری پیاس اسی طرح سے بجھ جائے
لے چکھ لے مرا خون ذرا سا مرے بھائی

یہ مصلحت آمیزی کی حد ہوگئی قیصر
آئینہ بھی دینے لگا جھانسہ مرے بھائی

☆

انجم بھی بہت ہیں، مہِ کامل بھی بہت ہیں
اس شہر میں ایمان کے قاتل بھی بہت ہیں

کیوں دیکھ نہیں پاتا کوئی صورتِ منزل
کہنے کو یہاں رہروِ منزل بھی بہت ہیں

احساس کی آنکھوں میں چبھن ہونے لگی ہے
شاید کہ یہاں ٹوٹے ہوئے دل بھی بہت ہیں

بے وجہ نہیں میری یہ آوارہ نگاہی
کچھ لوگ یہاں دید کے قابل بھی بہت ہیں

جادو مری غزلوں کا سلامت ہے تو کیا غم
محفل بھی بہت، رونقِ محفل بھی بہت ہیں

یہ سوچ کے کیجے گا بلندی کی تمنا
ونچائی بہت ہے تو مسائل بھی بہت ہیں

ہیں یوں تو مخالف بھی بہت فکر و نظر کے
قیصر مرے دکھ درد میں شامل بھی بہت ہیں

☆

پروردگارِ دل مرے دل کو قرار دے
خوابوں کو آسماں سے زمیں پر اتار دے

مرجھا گئے ہیں زخم انھیں پھر نکھار دے
یعنی مرے ضمیرِ غزل کو سنوار دے

الفاظ کو نگاہِ تجلی شعار دے
آواز بے اثر ہے اسے اعتبار دے

اب تو گھٹا کو بھیج مری خاک کی طرف
اب تو نواحِ جاں کو نسیمِ بہار دے

ایسا کرم جو کردے مرے درد کو سوا
ایسی نظر جو مرے غموں کو ابھار دے

کھولوں میں کس کے سامنے اپنی کتابِ دل
مجھ کو بھی کوئی دوست، کوئی غمگسار دے

بے رنگ آج تک ہے یہ دیوارِ آرزو
اس پر بھی کوئی نقشِ گلِ تر ابھار دے

قیصرؔ یہ تیرا شہر ہے ، تیرا دیار ہے
جو دن بچے کھچے ہیں ہیں پہ گزار دے

☆

گلزارِ فکر و فن کا گُلِ تر مری غزل
دنیائے رنگ و نور کا تیور مری غزل

خوشبوئے آگہی سے معطر مری غزل
مستقبلِ نگاہ کی رہبر مری غزل

پردے ہزار ڈال دو سچائیوں پہ تم
رکھتی ہے اپنی نظروں میں نشتر مری غزل

اوجھل نہ ہوسکا کوئی منظر نگاہ سے
ہر حال میں رہی سرِ منظر مری غزل

اس کی ادا ادا میں ہے اندازِ دلبری
سر تا قدم جمال کا پیکر مری غزل

ان کی نگاہِ ناز کے صدقے میں ہوگئی
میرے خیال و خواب سے بہتر مری غزل

☆

چاہے جیسا ہے میرا آئینہ
میرا اپنا ہے میرا آئینہ

اس کا ہر رنگ خواب جیسا ہے
خواب چہرا ہے میرا آئینہ

کیا نظر آئے پوچھئے اس سے
جس نے دیکھا ہے میرا آئینہ

منتشر کیوں نہ خواب ہوں میرے
ریزہ ریزہ ہے میرا آئینہ

بات کر کے تو دیکھئے اس سے
بول سکتا ہے میرا آئینہ

آئینہ گر تو میں نہیں پھر بھی
کیسا لگتا ہے میرا آئینہ

ہے نئے عہد کا نمائندہ
صبح فردا ہے میرا آئینہ

☆

حسن اور عشق کے انداز و ادا کی تجدید
آؤ ہو جائے کسی عہدِ وفا کی تجدید

خاک میں مل کے بھی کچھ صورتیں بن جاتی ہیں
اس حوالے سے فنا بھی ہے بقا کی تجدید

آج سے پہلے نہ تھی اتنی برہنہ یہ حیات
کاش ہو جائے کسی چشمِ عطا کی تجدید

ہے خدائی کو بچانا تو خدا کے بندو!
کرو پابندیٔ آئینِ خدا کی تجدید

پھول چہرے پہ یہ انگڑائیاں لیتی خوشبو
ریشمی پلکوں کے سائے میں حیا کی تجدید

ہو گئے بند امیدوں کے سبھی دروازے
ایسے ہی وقت میں ہوتی ہے دعا کی تجدید

جتنا پاکیزہ تھا اندازِ خطائے آدم
اسی اندازِ خطا سے ہو خطا کی تجدید

حق و باطل کی وہی معرکہ آرائی ہے
عین ممکن ہے کہ ہو کرب و بلا کی تجدید

کتنے کچلے ہوئے خوابوں کا پتہ دیتی ہے
تیری ویران ہتھیلی پہ حنا کی تجدید

کس کو سمجھا ہے زمانہ دلِ قیصر کی صدا
یہ [illegible] کی [illegible] صداں تجدید

☆

نورِ علیٰ نور ، دلِ نورِ لقب ہے کہ نہیں؟
صبح کے جیسی مری شام بھی اب ہے کہ نہیں؟

ہر نیا خواب تجسس کا سبب ہے کہ نہیں ؟
زندگی آج بھی تحقیق طلب ہے کہ نہیں ؟

چار چھ دن کی مسرت کا یہ انجام بھی دیکھ
آرزو آج تلک شکوہ بہ لب ہے کہ نہیں ؟

یہ اجالوں کے تعاقب میں نظر کا ہونا
نئے موسم کے لئے قہر و غضب ہے کہ نہیں؟

میں کہاں آپ کی باتوں کا برا مانتا ہوں
بے ادب غزلوں میں کچھ رنگِ ادب ہے کہ نہیں؟

خدمتِ خلق کا جذبہ ہے سرِ پردہ مگر
پسِ پردہ ہوسِ عیش و طرب ہے کہ نہیں؟

جس کو دیکھو وہی بیمار نظر آتا ہے
اس علاقے میں کہیں کوئی مطب ہے کہ نہیں؟

اپنے ہی قتل کا الزام ہے مجھ پہ قیصر
تم بتاؤ یہ تماشا ہے عجب ہے کہ نہیں

☆

ہو چکی ہنگامہ آرائی، چلو اب بس کرو
زندگی کی ایسی رسوائی، چلو اب بس کرو!

چھوڑ دو شکوے گلے بھائی، چلو اب بس کرو
بے گناہی کی سزا پائی، چلو اب بس کرو

اپنی حد تک ہی تو کھنچ سکتی ہے کوئی بھی کماں
ٹوٹ جائے گی یہ انگڑائی، چلو اب بس کرو

روشنی کی مار سے بچنا بہت دشوار ہے
ختم ہو جائے گی بینائی، چلو اب بس کرو

کیوں کیا کرتے ہو تم اہل سند کی ہم سری
بند کر دو اپنی شہنائی، چلو اب بس کرو

جانتے ہیں سب مگر پہچانتا کوئی نہیں
یوں بھی ہوتی ہے پذیرائی، چلو اب بس کرو

لائقِ سجدہ ہی کب ہے سر تمھارا محترم
ہے عبث نازِ جبیں سائی، چلو اب بس کرو

☆

اک دھنک رنگ سراپا بھی مرے شہر میں ہے
آدمی پھول کے جیسا بھی مرے شہر میں ہے

شب تاریک کا دھڑکا بھی مرے شہر میں ہے
اور اجالوں کی تمنا بھی مرے شہر میں ہے

حسن کا جلوۂ رعنا بھی مرے شہر میں ہے
اور مقتل کا تماشا بھی مرے شہر میں ہے

ہے مرے شہر میں ماضی کا عجائب گھر بھی
آئینہ خانۂ فردا بھی مرے شہر میں ہے

ایک رادھا کی محبت کے بھی جلوے ہیں یہاں
اور اک کرشن کنھیا بھی مرے شہر میں ہے

کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے پھر بھی
روز اک طرفہ تماشہ بھی مرے شہر میں ہے

آشنا نیند کی پریاں بھی بہت ہیں قیصر
اجنبی خواب کا چہرہ بھی مرے شہر میں ہے

☆

درد کا ترجمہ مری غزلیں
میرؔ کی ہم نوا مری غزلیں

دلنشیں دلنشیں مرے اشعار
دلربا دلربا مری غزلیں

دیکھتی بھی ہیں بولتی بھی ہیں
آئینہ آئینہ مری غزلیں

خواب زاروں میں کوششِ تعبیر
مرحبا مرحبا مری غزلیں

آبرو باختہ کہے دنیا
ہیں مگر پارسا مری غزلیں

جلتے موسم میں سائبانِ ادا
موجِ بادِ صبا مری غزلیں

عشق کی بے خودی کا عکسِ جمال
حسن کا زاویہ مری غزلیں

دیدۂ صالحہ ہوں میں قیصرؔ
نغمۂ صالحہ[1] مری غزلیں

[1] شاعر کی والدہ مرحومہ

☆

رنگ و بو میرے تھے یہ صحنِ چمن میرا تھا
گویا اک خواب کی دنیا میں وطن میرا تھا

جو تری روح پہ برسا تھا وہ بادل میں تھا
جو ترے ساتھ جلا تھا وہ بدن میرا تھا

کون تھا جانِ سخن یہ مجھے معلوم نہیں
اتنا معلوم ہے بس حرفِ سخن میرا تھا

جہاں روشن تھے بہر گام محبت کے چراغ
وہ اجالوں کے طلسمات کا بن میرا تھا

چونک اٹھتی نہ بھلا کیسے یہ دنیا قیصرؔ
مختلف سارے زمانے سے چلن میرا تھا

☆

تھی کل تک نظر شراب آلود
آج کیوں ہوگئی عتاب آلود؟

[illegible]
[illegible]

لوگ سود و زیاں کی قید میں ہیں
آج کا ذہن ہے حساب آلود

یہ نئی روشنی کا صدقہ ہے
زندگی ہوگئی عذاب آلود

میری فطرت ہے میکدہ سازی
میرے افکار ہیں شراب آلود

میرا مسلک شعور کی مستی
اس کا مذہب شراب ناب آلود

خواب ہی دیکھتے ہیں خواب میں بھی
یوں نظر ہو گئی ہے خواب آلود

آستینیں بھی تر ہیں، دامن بھی
میری دستار بھی شراب آلود

میں جہاں تھا وہیں رہا قیصرؔ
اور تم ہو گئے جناب آلود

☆

حرفِ آئندہ ہوں کس طرح میں بولوں پہلے
جسم کی قید سے آزاد تو ہو لوں پہلے

پتا یہ چاک گریباں بھی سیوں گا لیکن
چند تارے ترے دامن میں پرولوں پہلے

روشنی ہے کہ اندھیرا یہ پتا کیسے چلے
جاگ تو جاؤں، ذرا آنکھیں تو کھولوں پہلے

بات بینائی کی ایسے نہیں کرنی مجھ کو
اپنی آنکھوں میں کوئی خار چبھولوں پہلے

زندگی اپنی سفر سے ہے عبارت مرے دوست
اس لیے سوچ رہا ہوں ذرا سولوں پہلے

دوستِ نظروں ہی میں کچھ غیر نگاہیں ہوں گی
داغ دامن پہ لگے ہیں انھیں دھو لوں پہلے

ہے تقاضا مرے فنکار کا قیصرؔ صاحب
پوری سچائی سے اپنے کو ٹٹولوں پہلے

اور کیا روسے گی مجھے دنیا
اپنی پلکیں ذرا بھگوئے گی

عقل دیوانگی سے ڈرتی ہے
کیسے اپنی زبان کھولے گی

دیدۂ انفعال کی شبنم
اپنے سارے گناہ دھولے گی

میراقصہ لکھے گی جب دنیا
خون میں انگلیاں ڈبولے گی

رسمِ ہمسائیگی خدا کے لئے
میرے گھر کی طرف بھی ہولے گی

بربریت کا فلسفہ ہے الگ
رس فضاؤں میں کیسے گھولے گی

جب بھی دیکھے گی آگ دیکھے گی
جب بھی بولے گی زہر بولے گی

یہی عالم رہا اگر قیصرؔ
زندگی خود سے ہاتھ دھولے گی

☆

س قدر ٹوٹ کے برسا سورج
[illegible]

کھویا دامنِ شفق میں لیکن
رات کی جیب سے نکلا سورج

اپنی قسمت میں لکھا ہے شاید
صبح کے نام پہ کالا سورج

اچھی لگتی ہے شفق کی لالی
اچھا لگتا ہے یہ آتا سورج

فکر کو جامۂ انوار ملا
دل میں جب درد کا چمکا سورج

منزلیں اس کے مقدر میں نہیں
کیسے آرام کرے گا سورج

گھر کی ویرانی پہ افسردہ ہے
ٹوٹی دیوار پہ بیٹھا سورج

میرے کس کام کا قیصر صاحب
یہ تھکا ماندہ، یہ بوڑھا سورج

☆

بہت طویل ہے میرا سفر خدا حافظ
مرے حبیب مرے چارہ گر خدا حافظ

میں قیدِ جسم سے آزاد ہونے والا ہوں
اے میرے پیکرِ بے بال و پر خدا حافظ

مری زمیں کے لئے بت کدے ہزاروں ہیں
میں چھوڑتا ہوں ترا سنگِ در خدا حافظ

اجالا ہونے سے پہلے ہی بجھ رہا ہوں میں
مری نگاہوں کے خوابِ سحر خدا حافظ

اب آگے کون سی منزل ہے یہ خدا جانے
دیارِ معرکۂ خیر و شر خدا حافظ

جہاں سے لوٹ کے آیا نہیں کبھی کوئی
اسی طرف ہے مرا بھی سفر خدا حافظ

تمام ہو گیا قیصرؔ مرا سفر شاید
یہ کہہ رہی ہے مری رہگزر خدا حافظ

☆

تعجب ہے کہ اب رشتوں کا سودا کیسے ہوتا ہے
ذرا سی دیر میں اپنا ، پرایا کیسے ہوتا ہے

ہمارے قد پہ اب اپنا ہی سایہ طنز کرتا ہے
سمجھ میں آ گیا انسان چھوٹا کیسے ہوتا ہے

سیاست کی طوائف سے ملو ، خود جان جاؤ گے
تماشا کس کو کہتے ہیں ، تماشا کیسے ہوتا ہے

خدا کو بیچنے والے بھلا یہ راز کیا جانیں
عبادت کیسے کی جاتی ہے ، سجدہ کیسے ہوتا ہے

کوئی بیدرد کیا جانے ، کوئی بیدرد کیا سمجھے
کہ دل میں میٹھا میٹھا درد پیدا کیسے ہوتا ہے

جوانی کو ذرا آنے تو دو ، وہ خود بتا دے گی
نگاہیں پھیر کر خون تمنا کیسے ہوتا ہے

اسے خاموش کر دیتی ہے شوخی حسنِ جاناں کی
مجھے معلوم ہے آئینہ گونگا کیسے ہوتا ہے

جلا کر اپنے دل کا خون ثابت کر دیا میں نے
اندھیر رات میں قیصر اجالا کیسے ہو تا ہے

لڑتا ہے کیوں دنیا سے بے کار میاں
کرنا ہے تو دل سے کر تکرار میاں

سرداری کی قیمت ہے سردار کا سر
کون قبیلے کا ہوگا سردار میاں

تم ہی سوچو پتھر والی بستی میں
[illegible]

خیر خبر لے لیتے بھوکے ننگوں کی
کہاں گئے رزاق میاں، ستار میاں

پیسہ جیب میں ہے تو دنیا جیب میں ہے
کیسی عزت کیسا عزت دار میاں

سورج تیرے آنگن میں آ بیٹھا ہے
کیا جانے تو کب ہوگا بیدار میاں

شاعر کا دل درپن جیسا ہوتا ہے
اس بے دردی سے مت پتھر مار میاں

پور پور میں اس کے متھلا کا رس ہے
قیصر کی یہ غزل بھی ہے اپہار میاں

☆

روپ رنگ ہے پیار ہے بابا
پھر بھی ہاہا کار ہے بابا

نفرت کا بازار ہے بابا
پیار یہاں بیوپار ہے بابا

سب کے منھ پر سب کے جیسی
جو بھی ہے مکار ہے بابا

گوشت کی بھوکی خون کی پیاسی
دنیا ساہو کار ہے بابا

سچ بولوں تو کیسے بولوں
گردن پر تلوار ہے بابا

یہ تو سوچو شہر کا قاتل
کس کا رشتے دار ہے بابا

کون سنے گا یہاں تمھاری
گجراتی دربار ہے بابا

سب جس کو قیصر کہتے ہیں
اچھا دنیا دار ہے بابا

☆

جو میرے آئینے کے روبرو تھا
کوئی تیرے ہی جیسا ہو بہو تھا

عجب انداز تھا اس کی نظر کا
وہ چپ رہ کر بھی محو گفتگو تھا

ہوا نے دی تھی میرے در پہ دستک
مگر میں نے یہی سمجھا کہ تو تھا

وہ اک برگد جو اب بکھرا پڑا ہے
مری ویرانیوں کی آبرو تھا

جو چمکا تھا ترا سیندور بن کر
وہ میری آرزوؤں کو لہو تھا

جو اس گھر سے نکالا جا چکا ہے
وہی اس گھر کی قیصر آبرو تھا
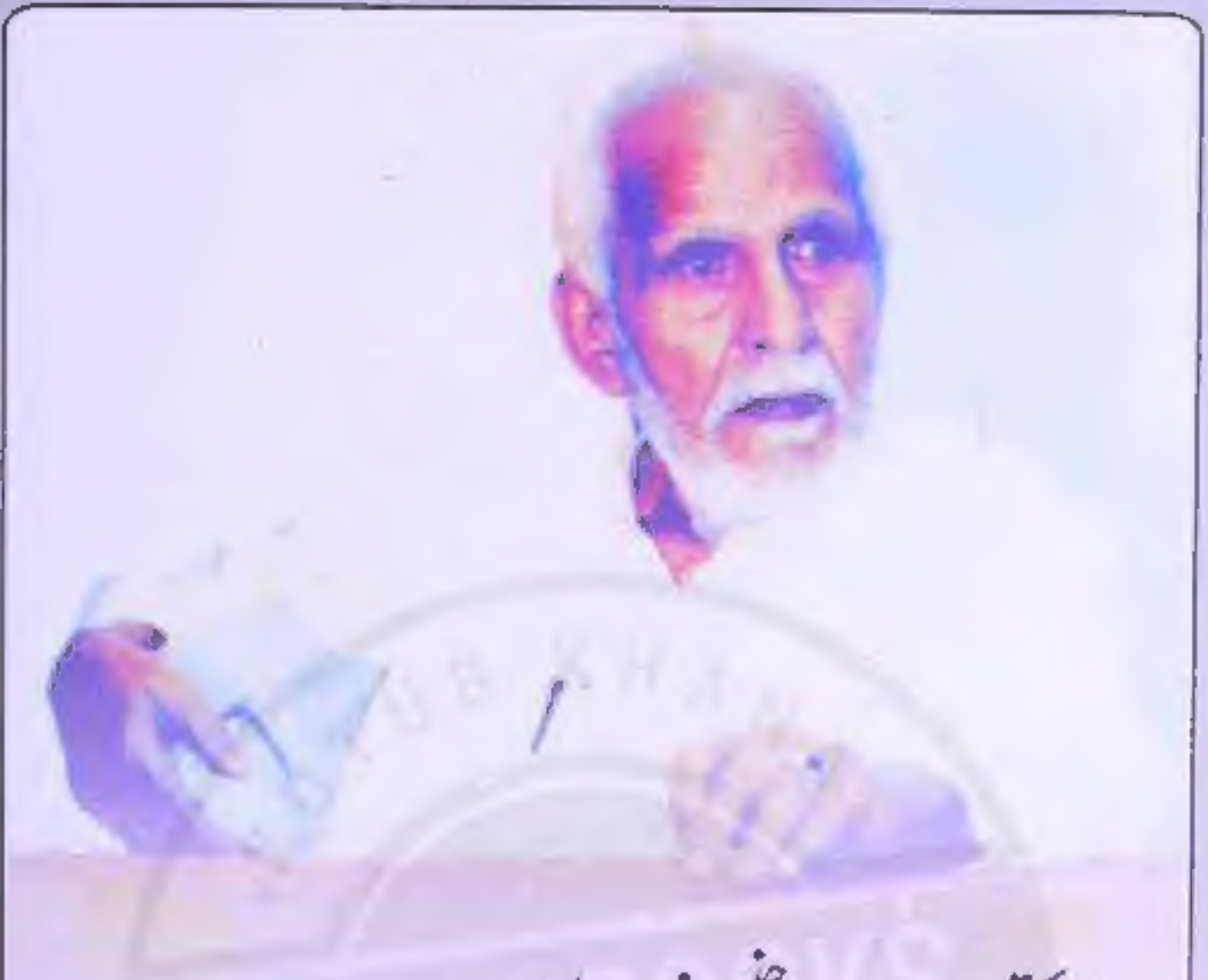
نام کتاب : اجنبی خواب کا چہرہ

مصنف کا نام : افتخار احمد

قلمی نام : قیصر صدیقی

ولد : جناب عبدالغنی مرحوم

تلمیذ : سید وحید الدین شوقؔ عظیم آبادی مرحوم، جرمؔ محمد آبادی مرحوم

پیدائش : ۱۹؍مارچ ۱۹۳۷ء موضع قیصر آباد نواده، ضلع سمستی پور، بہار

تصنیف : صحیفہ، ڈوبتے سورج کا منظر، روشنی کی بات، سجدہ گاہِ فلک

Mob.: 9871298085, 9570319204

ISBN 819312455-0